وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 8	شمارہ 04	جمادی الثانی 1435ھ	اپریل 2014ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
حافظ مختار احمد گوندل
پروفیسر خلیل الرحمٰن
محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن
تزئین و گرافکس: سعد حسن خان
قانونی مشاورت:
محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زر تعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زر تعاون: اندرونِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَةُ الْحِکْمَةُ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ النازعات	3
2	بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	درسِ قرآن مجید کی تیاری کیسے کریں؟ 2		12
5	یورپ پر اسلام کے احسانات 6	انجینئر مختار فاروقی	21
6	مسلمان مغرب سے زیادہ مہذب ہیں	امجد عباسی	31
7	نظامِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے؟		35
8	حقیقتِ عملِ صالح	انجینئر مختار فاروقی	39
9	تبصرہ و تعارف کتب		61

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ النازعات 79 ﴿آیات 15-33﴾

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى O

بھلا تم کو موسیٰ (علیہ السلام) کی حکایت پہنچی ہے؟

اِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى O

جب ان کے پروردگار نے ان کو پاک میدان طویٰ میں پکارا

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى O

(اور حکم دیا) کہ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو رہا ہے

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى O

اور (اس سے) کہو کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے

وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى O

اور میں تجھے تیرے پروردگار کا رستہ بتاؤں تاکہ تجھ کو خوف (پیدا) ہو

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى O

غرض انہوں نے اس کو بڑی نشانی دکھائی

فَكَذَّبَ وَ عَصٰى O ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى O

مگر اس نے جھٹلایا اور نہ مانا پھر لوٹ گیا اور تدبیریں کرنے لگا

فَحَشَرَ فَنَادٰی O فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی O

اورلوگوں کواکٹھا کیااورپکارا کہنےلگا کہ تمہاراسب سے بڑامالک میں ہوں

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی O

تواللہ نےاس کودنیااورآخرت (دونوں) کےعذاب میں پکڑلیا

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی O

جوشخص (اللہ سےڈر رکھتاہےاس کےلیےاس (قصے) میں عبرت ہے

ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا O

بھلاتمہارابنانامشکل ہےیاآسمان کا؟ اُسی نےاس کوبنایا

رَفَعَ سَمْکَهَا فَسَوّٰهَا O

اس کی چھت کواُونچا کیا، پھراِسے برابرکردیا

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا O

اُسی نےرات تاریک بنائی اور (دن کو) دھوپ نکالی

وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا O

اوراس کےبعدزمین کوپھیلادیا

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَ هَا وَمَرْعٰهَا O

اسی نےاس میں سےپانی نکالااورچارہ اُگایا

وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا O

اوراس پرپہاڑوں کابوجھ رکھ دیا

مَتَاعًا لَّکُمْ وَ لِاَنْعَامِکُمْ O

یہ سب کچھ تمہارےاورتمہارےچوپایوں کےفائدےکےلئے (کیا)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

اِثْنَتَانِ فِی النَّاسِ ھُمَا بِھِمْ کُفْرٌ: اَلطَّعْنُ فِی الْأَنْسَابِ وَ النِّیَاحَۃُ عَلَی المَیِّتِ

دو خصلتیں (بعض) انسانوں میں ایسی ہیں جو کافرانہ ہیں (یعنی مخلص مسلمانوں میں نہیں ہوتیں): (ایک) نسب میں طعن کرنا اور (دوسرے) میّت پر نوحہ کرنا۔

(مسلم، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

اِثْنَتَانِ یَکْرَھُھُمَا ابْنُ آدَمَ: یَکْرَہُ المَوْتَ والمَوْتُ خَیْرٌ لَہُ مِنَ الفِتْنَۃِ وَ یَکْرَہُ قِلَّۃَ الْمَالِ وَ قِلَّۃُ الْمَالِ أَقَلُّ لِلْحِسَابِ

دو چیزیں ایسی ہیں جن کو ابن آدم ناپسند کرتا ہے: (ایک) موت کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ موت اس کے لیے فتنہ سے بہتر ہے اور (دوسرے) مال کے کم ہونے کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ مال جتنا کم ہوگا اتنا ہی حساب کتاب کم ہوگا۔

(مسند احمد، عن محمود بن لبید رضی اللہ عنہ)

الجَامِعُ الصَّغِیر فی احادیث البشیروالنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللّٰہ

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

1 دنیا بھر میں اس وقت انسانیت ایک عجیب ہیجانی کیفیت سے دوچار ہے۔ بظاہر فاصلے سمٹ گئے ہیں، دوریاں ختم ہوگئی ہیں، معلومات کا سفر بہت آسان ہو گیا ہے، پہلے جو خبر مغرب سے مشرق تک ایک صدی میں پہنچتی تھی وہ اب دنوں نہیں بلکہ گھنٹوں میں پہنچ جاتی ہے۔ علم کے پھیلاؤ کا سفر بھی نہایت آسان اور تیز رفتار ہو گیا ہے۔ موبائل فون پر انسانوں کے درمیان سماجی رابطوں نے تو قیامت ڈھا دی ہے اور غالباً اسی وجہ سے انسانیت مجموعی طور پر ایک ہیجانی کیفیت سے دوچار ہے بلکہ ہیجانی سے زیادہ ہذیانی کیفیت کہیں تو اکثر انسانوں کی نفسیاتی کیفیات کی صحیح عکاسی ہوگی۔

2 دنیا میں اس وقت 186 سے زیادہ ممالک ہیں۔ بظاہر یہ ممالک آزاد ہیں اور اپنے معاملات میں خود مختار بھی مگر آج 'آزادی' کا جتنا چرچا کیا جاتا ہے درحقیقت 'انسانیت' اتنی ہی مجبور، مقہور اور مظلوم ہے۔

3 دوسرے لحاظ سے دنیا میں ایک تقسیم ترقی یافتہ ممالک اور غیر ترقی یافتہ ممالک کی ہے۔ درمیان میں کچھ تعداد ان ممالک کی بھی ہے جو نہ ترقی یافتہ ہیں اور نہ غیر ترقی یافتہ کہلاتے ہیں بلکہ ترقی پذیر ممالک کی فہرست میں شمار کیے جاتے ہیں۔ عالمی سطح پر ترقی یافتہ ممالک جس طرح دیگر ممالک کا استحصال بالجبر کر رہے ہیں اس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ کسی ایک انسان کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کیا جائے (چاہے عورت ہو یا مرد) تو اسے بالجبر کہتے ہیں اور آج مغربی دنیا میں یہ بہت بڑا جرم ہے۔ مگر یہی ترقی یافتہ ممالک کمزور ممالک، کمزور اقوام اور پس ماندہ

علاقوں کے انسانوں کا مسلسل جبری استحصال کر رہے ہیں اس 'جرم' کو کوئی جرم کہنے والا ہی نہیں۔

4 آج علم کی فراوانی، حقوق سے آگہی، اقوامِ متحدہ (UNO) کے تحت چلنے والے اداروں کے 'لشکر' کے باوجود ترقی یافتہ ممالک کی سینہ زوری اور کمزور پر فوج کشی، قرضوں کے ذریعے کنٹرول اور امداد کے نام پر UNO کی چیرہ دستیاں ایک طرف رہیں ثقافت، کھیل کود اور مشغلوں کی آڑ میں انسانیت کی تذلیل اور نئی نسل کی اخلاقی تباہی کا مشغلہ زوروں پر ہے اور یوں احترامِ انسانیت کا جنازہ اُٹھ گیا ہے۔

5 امریکی جاسوسی ادارہ CIA دنیا بھر کے 92 ممالک میں مداخلت کرتا ہے اور وہاں اپنی ناپاک مرضی کے مطابق معاملات کو چلانے کے لیے الیکشن سے لے کر حکومت کی تشکیل تک مداخلت کرتا ہے کوئی انکار کرے تو 'فوج' کو دعوت دی جاتی ہے ملکی آئین کی دھجیاں بکھیر دی جاتی ہیں تمام اصول بالائے طاق رکھ کر CIA کے مقاصد کے حصول کو ممکن بنایا جاتا ہے۔ اس گندے اور ناپاک کھیل میں کچھ لوگوں کو ضمیر فروشی اور قوم فروشی کے عوض کچھ ڈالروں کی زکاۃ بھی مل جاتی ہے۔ CIA کا بجٹ کئی ممالک کے مجموعی بجٹ سے زیادہ ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ امریکہ اب دنیا کی واحد سپر پاور ہے اور وہ اپنی بالادستی چاہتا ہے اور دنیا کے کسی کونے سے بھی اُٹھنے والی مخالف آواز کو ہمیشہ کے لیے خاموش کرنا چاہتا ہے اور کر دیتا ہے۔

6 روئے ارضی کے انسانوں کو امریکی غلامی میں دینے کے کام میں مگن اس ادارے کے تحت ہی ایک اطلاعاتی ادارہ وائس آف امریکہ (VOICE OF AMERICA) ہے جو CIA کے مجوزہ پلان اور منصوبے کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے مگر بُرا ہو میڈیا کا کہ آج سب لوگ اسی VOA کو سننا پسند کرتے ہیں اور اسی کی فراہم کردہ معلومات کو سب سے زیادہ قابل اعتبار اور قابل یقین سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس ادارے کی معلومات 'زہر' کو SUGAR COATED کر کے پیش کی جاتی ہیں جو اقوام کے لیے سراسر زہر ہیں۔ اسی زمرے میں دوسرا ادارہ 'بی بی سی' ہے جسے دنیا بھر میں بڑے شوق سے سنا جاتا ہے یہ ادارہ گزشتہ صدی کی ایک سپر پاور (SUPER POWER) برطانیہ عظمیٰ کی باقیات کی یادگار ہے یہ ادارہ انسانیت کو اپنی آزادی اور صحیح معلومات تک رسائی کا دعویٰ کر کے دھوکہ دیتا ہے اور گزشتہ 9 دہائیوں سے یہ دھوکہ دے رہا ہے

۔مگراس ادارے کی حقیقت یہ ہے کہ برطانوی وزارت دفاع کا حصہ ہے اور وہیں سے اس کا بجٹ آتا ہے اور یہ طویل عرصے سے برطانوی استبدادی عزائم کی آبیاری اورنگہداشت کے لیے کام کررہا ہے۔اس کی تمام نشریات کا محور و مدار برطانوی اور دراصل پروٹسٹنٹ عیسائیت یا صہیونیت کے ناپاک مقاصد کے حصول کے لیے راہ ہموار کرنا ہے اور ممکنہ عوامی ردعمل کوختم کرنا ہوتا ہے۔

7 گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال کی عالمی تاریخ میں اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جن قوتوں نے کام کیا ہے اور جنگیں لڑی ہیں دسویں، گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں اس ٹکراؤ کا نام صلیبی جنگیں تھا اس لیے کہ پورا یورپ مذہبی جذباتی رومانس کے تحت بیت المقدس کو مسلمانوں سے آزاد کرنے کے لیے کئی دفعہ اُمڈ آیا تھا عیسائی پادری اور مبلغ گھر گھر جا کر ان جنگوں کے وعظ سنا کر اور فضائل سنا کر لوگوں کو تیار کرتے رہے اور حالت یہ تھی کہ اسے ایک مقدس جنگ ظاہر کیا گیا اور بیت المقدس کی طرف مسلمانوں سے جنگ کے لیے شہزادے اور یورپی راجے مہاراجے پیدل ننگے پاؤں سفر کرنے کوسعادت سمجھ کر آتے تھے۔

1189-92ء کی جنگوں میں مسلمان سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے یورپی عسکری طاقت کے ایسے چھکے چھڑائے کہ کئی صدیاں دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کر پائے۔ پھر سلطنت بغداد ختم ہوگئی پھر سلطنت روما بھی ختم ہوگئی اور نصف یورپ پر مشرق میں قائم خلافت عثمانیہ کا جھنڈا لہرانے لگا تو صلیبی جنگوں کے پیچھے کارفرما دماغ نے سامنے آ کر مقابلہ کرنے کی بجائے مسلمانوں کو کمزور کرکے باہمی نزاعات میں لڑا کر دنیا پر قبضہ کرنے کا پروگرام بنایا اور کئی صدیوں کی محنت کے بعد پہلی جنگ عظیم کے دوران سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔صرف ترکی ملک باقی رہ گیا اس پر بھی مصطفٰے کمال اتاترک نامی ایک صہیونی ایجنٹ کو مسلّط کردیا گیا جس نے صہیونی ایجنڈے کے عین مطابق ترکی میں بھی اسلامی شعائر (پردہ، نماز، اذان وغیرہ) پر پابندی لگادی اور اسلامی قانون کے بجائے رومن لا نافذ کرکے مسلمانوں کو یورپی استبداد میں جکڑ لیا۔

8 گزشتہ صدی تک اسلام کی مخالف یہ طاقت صلیبی طاقت کہلاتی تھی اور کوئی طاقت در پردہ رہ کر مسلمانوں اور عیسائیوں کو میدان جنگ میں لا کر اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کرتی تھی۔ مگر ایک صدی پہلے یہودی اکابرین کے طے شدہ پروٹوکالز (PROTOCOLS) کے منظر عام پر

آنے کے بعد اور 1917ء میں فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کی اجازت سے اب یہودی خود شیر ہوگئے اور ایک 'سپر گورنمنٹ' کو UNO کا نام دے کر قائم کر لی، جس میں یہود نے پانچ عالمی طاقتوں کو خاص وعدوں کے عوض VETO کا حق دے دیا اور باقی تمام ممالک بالخصوص مسلمان ممالک کے حکمرانوں اور عوام کو جبری استحصال کے ذریعے لوٹنا شروع کر دیا۔ مسلمان بھی بظاہر عیسائیوں کو اپنا دشمن سمجھتے رہے اور دنیا کے بیشتر ممالک کے انسان بھی مگر جوں جوں وقت گزرا معلوم ہوا کہ عیسائی عوام اور عیسائی ممالک کے حکمران تو استعمال ہوگئے وہ تو کٹھ پتلی تھے مسلمان حکمرانوں کی طرح عیسائی ممالک کے بادشاہ اور حکمران اپنے عوام کو دھوکہ دیتے رہے۔

9 امریکہ کے ایک صدر نے 1990ء میں عراق پر جنگ مسلط کر کے اس کو ختم کرنے کے منصوبے کا اعلان کر کے ایک نئے عالمی نظام (NEW WORLD ORDER) کا اعلان کیا۔ یہ اعلان بظاہر بڑا میٹھا اور عوام دوست تھا مگر درحقیقت یہ JEW WORLD ORDER تھا۔ وہی یہودی عالمی حکومت جو پہلے دبے لفظوں میں اقوامِ متحدہ (UNO) کے نام سے جاری تھی وہ کھل کر سامنے آ گئی۔

آج اسرائیل اور عالمی یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر کے اعلان کے بعد یہودیوں کی عالمی حکومت قائم ہو چکی ہے اور یہ عالمی حکومت UNO کے ذریعے مسلمان ملکوں پر پابندیاں لگا کر اور عیسائیوں اور یہودیوں کے خلاف کسی قرارداد کو ویٹو کر کے اپنے مقاصد کے حصول میں آنکھیں بند کیے ہوئے ہے۔ 1948ء سے مسئلہ کشمیر سرد خانے میں پڑا ہوا ہے جبکہ مشرق بعید میں تیموریہ کے نام سے عیسائی سلطنت قائم ہوگئی کریمیا پر روسی قبضے پر چند دنوں میں پابندیاں نافذ کیئں مگر کشمیر پر بھارت کے خلاف کوئی انگلی بھی نہیں اُٹھی۔ خود امریکہ نے اسی یو این او سے پابندیاں لگوا کر عراق کی مسلم آبادی کو تہس نہس کیا، لیبیا کو روند ڈالا مصر پر مظالم جاری ہیں شام میں مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے کشمیر میں بھارت کی مسلم کشی، احمد آباد اور مظفر نگر کے فسادات پر بھارت کے مجرمانہ کردار سے UNO سمیت عالمی طاقتوں کی چشم پوشی اسی عالمی گہری سازش کی نشانی ہے جو دراصل یہود ہی کی عالمی حکومت کے لیے جاری ہے۔

10۔ نیو ورلڈ آرڈر کی شروعات یہود کے نزدیک 1776ء کے امریکی انقلاب کے

ساتھ ہی ہوگئی تھیں۔ ایک ڈالر کے امریکی نوٹ پر 1776ء کے سن کے ساتھ NOVO ORDO SECLORUM کے الفاظ درج ہیں۔ بظاہر سیکولر بن کر دراصل یہودی ناپاک مقاصد کا حصول اور UNO کے ذریعے حکومت کا قیام 1776ء سے یہودی منصوبہ تھا۔ اب نائن الیون کے بعد یہ عالمی حکومت عملاً قائم ہوچکی ہے اگرچہ بے شعور عوام کو ابھی تک اس کا احساس نہیں ہے۔اس عالمی حکومت کے شواہد درج ذیل ہیں:

☆ یہود کے نزدیک اقوام متحدہ کے پانچ مستقل ارکان جنہیں ویٹو کا حق حاصل ہے ان ممالک کی حکومت کے بناؤ اور بگاڑ میں یہودی لابی کا مکمل قبضہ ہوچکا ہے لہٰذا اب ان ممالک کی طرف سے یہود کے خلاف کسی تنقید کا خطرہ نہیں ہے جبکہ یہ ممالک یہود کے ناپاک مقاصد کی تکمیل کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں۔

☆ ایک عالمی کرنسی وجود میں آ چکی ہے وہ ہے E-CURRENCY۔عملاً آج انسان کے پاس چاندی سونا اجناس کوئی ٹھوس چیز 'مال' کی شکل میں موجود نہیں ہے صرف ایک PASSWORD کے ذریعے ہم اپنے اکاؤنٹ کو چلاتے ہیں اکثر خریداری CREDIT CARD کے ذریعے ہوتی ہے۔ دنیا بھر کا سونا چاندی اور قیمتی دھاتیں یہود کے قبضے میں جا چکی ہیں۔

☆ دنیا بھر کی انڈسٹری پر 10 ملٹی نیشنلز کا قبضہ ہے۔ ہر انسان جو کچھ خریدتا ہے وہ چاہے PEPSI کی بجائے COCA COLA خریدے یا 7UP وہ سب کسی نہ کسی ملٹی نیشنلز کا ہی پروڈکٹ خریدتا ہے۔ یہ ملٹی نیشنلز یہودی ساھوکاروں کی ملکیت ہیں۔

☆ میڈیا چاہے اخبارات ورسائل ہو یا ٹی وی اور انٹرنیٹ اس پر بھی یہودی قبضہ ہے۔حتیٰ کہ مشغلوں اور کھیلوں کے تمام ذرائع پر بھی یہودی قابض ہیں۔ جواء، سٹہ، سود، بنکوں کا لین دین سب یہودی لابی کے زیر اثر ہے۔

☆ زراعت پر بھی یہودی لابی ہائی برڈ بیج، زرعی ادویات، سپرے اور کھادوں کے ذریعے قابض ہوچکی ہے۔اب روایتی بیج کی بجائے فیکٹریوں اور SEEP CORPORATIONS کے بنائے ہوئے بیجوں کو خرید کر ہی اچھی فصل پیدا کی جاسکتی ہے۔ جیسے فارمی مرغی کے انڈے سے 'چوزہ' پیدا نہیں ہوسکتا اسی طرح اس ہائی برڈ گندم وغیرہ کے بیج سے نئی فصل نہیں اُگائی جاسکتی۔

☆ آج کی جنگ دراصل صہیونیت اور اسلام کی جنگ ہے جس میں عالم عیسائیت اور UNO صہیونیت کے 'فرنٹ مین' بنے ہوئے ہیں جو عیسائی عوام کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں، انسانیت کو بھی۔

☆ تعلیم اور ملکی سطح کے قرضوں وغیرہ پر بھی یہود قابض ہیں یا ان کے خصوصی منظورِ نظر افراد۔

☆ دنیا بھر کے ترقی پذیر یا غیر ترقی ممالک میں حکمران اور اپوزیشن ان کے مرضی کے افراد پر ہی مشتمل ہوتی ہے اسی لئے کسی ملک کے حوالے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی الیکشن تو ایک طرح سے عوام کو دکھانے کے ایک فلم ہوتی ہے جو چلائی جاتی ہے حکمرانوں کا فیصلہ بہت پہلے یہودی ایوانوں میں ہو چکا ہوتا ہے۔

11. ان حالات میں اب عالمی سطح پر مسلمانوں کے خلاف مغرب نے جو جنگ جاری کر رکھی ہے وہ برما ہو، بھارت ہو، کشمیر ہو، افغانستان ہو، عراق ہو، شام ہو، سوڈان ہو، وسطیٰ افریقہ ہو یا دیگر افریقی ممالک کے مسلمان ــــــ سب جگہ تباہی مسلمانوں کے حصہ میں آ رہی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صلیبی جنگ دراصل صہیونی جنگ ہے اور عیسائی ملکوں کے حکمران بھی مسلمان ملکوں کے حکمرانوں کی طرح بکے ہوئے، نصب کردہ (PLANTED) صہیونی ایجنٹ، عوام کے غدار اور ملک دشمن ہوتے ہیں۔ ہم مسلمان تو پھر بھی کچھ احتجاج کر لیتے ہیں یورپی ممالک کے عیسائی عوام ابھی اس بات کا تصور بھی نہیں ہے۔

12 کاش کہ ہم مسلمان ــــــ اس خوابِ خرگوش سے بیدار ہوں اور اس صہیونیت کے بت کو پاش پاش کر دیں۔ علامہ اقبال نے بہت پہلے فرمایا تھا۔

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے، تو مصطفوی ﷺ ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے!

آج ہم مسلمانوں کو اپنے دشمن کو پہچاننے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے منصوبہ بندی کر کے مستقبل کے نقشہ کو طے کرنے کی ضرورت ہے ایسا نہ ہو کہ ہم غافل رہیں اور دشمن ہماری غفلت میں ہی ہمارا کام تمام کر دے۔

درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں

انجینئر مختار فاروقی

درسِ قرآنِ مجید کی تیاری کے سلسلے میں مدرّس کی اپنی ترجیحات، معلومات اور یقینیات (CONVICTIONS) کا بڑا حصہ ہے۔ مدرّس کے اپنے قلب و ذہن میں جو باتیں نقش ہونی چاہئیں اور اپنے سامعین تک 'حکمت' اور 'دانائی' کے علاوہ 'حسن تدبیر' کے ساتھ پہنچانی چاہئیں ان میں قرآنِ مجید کے 'کلام اللہ' ہونے کے یقین کے بعد قرآنِ مجید کا 'اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہونے' اور خالق کائنات کی طرف سے اس کلام کی حفاظت کا ذمہ لینے کی بات کا 'یقین' شامل ہے۔ کسی بات کا 'یقین' ایسی پوشیدہ حقیقت ہے کہ اس کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ جیسے کہا جاتا ہے اور بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ مشک (خوشبو) اور عشق (محبت مجازی ہو یا حقیقی) چھپانے سے چھپائے نہیں جاسکتے اسی طرح قرآن مجید کے بارے میں یہ یقین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے جس کا شاہد عادل خود کلام الٰہی ہے کہ

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (09:15)

''بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اُتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''

یہ یقین ـــــ انسان کے طرزِ گفتگو، لہجہ اور باڈی لینگویج (BODY LANGUAGE) سے عیاں ہوجاتا ہے۔ ایک مخلص مدرّس کی گفتگو کا یہ دوسرا 'زیور' ہے جس سے اس کے الفاظ و معانی کا مزّین ہونا ضروری ہیں۔ یقین ـــــ مدرّس سے سامعین تک غیر مرئی اور غیر محسوس طریقے

پر سادہ گفتگو سے بھی منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔

جہاں تک اس حقیقت کی اہمیت (IMPACT) کا تعلق ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے، وہ بڑی واضح ہے۔ حضرت محمد ﷺ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سنہری سلسلے کی آخری کڑی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا فرمایا اس میں مختلف مخلوقات پیدا فرمائیں اور آخر پر اشرف المخلوقات انسان کو پیدا فرمایا۔ انسان کی رہنمائی کے لئے آسمانی ہدایت کا سلسلہ جاری فرمایا اور یہ سلسلہ کئی ہزار سال تک جاری رہ کر حضرت محمد ﷺ پر آ کر ختم ہو گیا۔ 'ختم نبوت' کا مفہوم سلسلہ 'نبوت و رسالت کا بند ہونا بھی ہے اور ختم، تکمیل اور اتمام کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے ہم تراویح میں قرآن پاک کے مکمل ہونے کو 'ختم قرآن' کہتے ہیں یا جیسے گھر میں سکول پڑھنے والے بچے یہ جملہ بولتے ہیں کہ سکول کا کام ختم ہو گیا۔ یہاں 'ختم' سے مراد مکمل ہونے کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ختم نبوت کا دوسرا پہلو حضرت آدم علیہ السلام سے وحی اور نبوت کا آغاز ہوا اور انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ آسمانی ہدایت بھی پہلے زبانی، پھر صحیفے اور زُبر، بعد ازاں 'الواح' کی شکل میں پھر کتاب کی شکل میں آ گئی۔ جب انسان نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تو اللہ تعالیٰ نے کتابیں اُتاریں تاکہ وہ 'وحی' محفوظ رہ سکے۔ انسانی تمدن اور تہذیب نے غاروں میں رہنے والے انسان سے آگے بڑھ کر آج سے چودہ صدیاں پہلے مکانات کی تعمیر، رہنے کی سہولیات، تزئین و آرائش، شہری آبادیاں، زراعت، صنعت، سفر اور زندگی کے طور طریقوں میں بے پناہ ترقی کی۔ لہٰذا جب انسان اس ترقی کے آخری مرحلے میں داخل ہوا ـــــ جس کے بعد اب نوعیت کا نہیں صرف تفصیلات کا فرق رہ گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے (جو ہر ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے) آخری نبی ﷺ کو مبعوث فرما کر اپنا آخری کلام عطا فرمایا اور اپنی ہدایت اور نعمت کو مکمل فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (03:05) ''آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا''

یہ 'وحی' حجۃ الوداع کے موقع پر 10 ھ میں نازل ہوئی جب قرآن پاک کا نزول تقریباً مکمل ہو چکا تھا (یہ آخری وحی ہے یا نہیں ہے اس میں قدرے اختلاف ہے)۔ گویا ـــــ ختم نبوت

ایک طرح سے انسانیت کے بحیثیت مجموعی 'بلوغ' کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اب انسانیت ــــــ قرآن مجید کی اُصولی ہدایت سے اپنے لئے آنے والے ہر دور میں 'ضروری' اور 'خصوصی' ہدایت اخذ کر لینے کے قابل ہوگئی ہے اور 'ختم نبوت' گویا اللہ تعالیٰ کو اپنی تخلیق 'انسان' پر اعتمادِ کلی کا مظہر ہے جیسے خود خالق کائنات نے کہیں فرمایا:

وَ لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰہُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰہُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا (70:17)

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی''

کہیں فرمایا: لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ (04:95) ''ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے'' اور کہیں فرمایا: لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ ......(75:38) ''جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا''یعنی ــــــ اب انسانیت کے لئے مسلسل انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ جاری رکھ کر انگلی پکڑ کر چلنے کی ضرورت نہیں رہی۔

قرآن مجید کے آخری کلام اور اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہونے کی جتنی اہمیت ہمارے احساسات پر طاری ہونی چاہئے وہ آج نہیں ہے۔ جب تک وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم انسانوں سے بذریعہ انبیاء کرام علیہم السلام 'بات' کرتا تھا اس کے پیغامات آتے تھے اور ختم نبوت دراصل 'انقطاعِ وحی' ہے کہ اب انسان کا براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کلام لینے اور سننے کا عمل ختم کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے انسان کا روحانی اور قلبی تعلق اطاعت و محبت کی مناسبت سے مختلف مدارج کے ساتھ آج بھی جاری ہے۔ تاہم انسانی معاملات میں براہِ راست اپنے کلام کے ذریعے روک ٹوک اور رہنمائی کا سلسلہ روک دیا گیا ہے۔ یہ 'وحی نبوت' کا سلسلہ منقطع ہو گیا ــــــ مگر 'وحی نبوت' سے نیچے اللہ تعالیٰ کی طرف 'ثباتِ قلبی' اور 'اطمینانِ قلبی' کے جو مختلف اسباب ہیں وہ جاری ہیں۔ وجدان، الہام، کشف، رویائے صادقہ اسی قبیل کی رہنمائی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَیُّہَا النَّاسُ اِنَّہُ لَمۡ یَبۡقَ مِنۡ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الرُّؤۡیَا الصَّالِحَۃُ، یَرَاھَا الۡمُسۡلِمُ، اَوۡ تُرٰی لَہُ (ابوداؤد، عن ابن عباس) ''اے لوگو! نبوت کے مبشرات میں

سے کچھ باقی نہیں رہا سوائے نیک خواب کے، جو انسان دیکھتا ہے یا اسے دکھایا جاتا ہے۔''

اور رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ (بخاری، عن عبادۃ بن الصامت)

''مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں ایک حصہ ہے''

'وحی نبوت' کے بند ہونے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وحی سے کیا تعلق خاطر رکھتے تھے وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو 'وحی' پہنچائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ سلام کہہ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (جو غالباً پاس ہی موجود تھے) ان کے رب کا سلام پہنچایا تو ان کی حیرت اور خوشی کا انتہا نہ رہی کہ 'اللہ تعالیٰ' مجھے سلام کہہ رہا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم 'وحی' کے گواہ تھے اور ان پر اس جیسی کیفیات شخصی طور پر یا مجموعی طور پر، یا بالواسطہ وارد ہوتی رہتی تھیں جس کا انہیں تجربہ تھا۔ ہم تک روایتاً اس طرح کے خال خال واقعات ہیں۔ اسی طرح حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو تاثر ظاہر کیا وہ بھی اسی جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا حصہ ہے ہم اس کیفیت کو کیا محسوس کریں گے۔ اُنہوں نے فرمایا:

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ، بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِعُمَرَ: انْطَلِقْ بِنَا اِلَى أُمِّ أَيْمَنَ نَزُورُهَا، كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَزُورُهَا، فَلَمَّا انْتَهَيْنَا اِلَيْهَا بَكَتْ، فَقَالَا لَهَا: مَا يُبْكِيكِ؟ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِرَسُولِهِ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فَقَالَتْ: مَا أَبْكِي أَنْ لَا أَكُونَ أَعْلَمُ أَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِرَسُولِهِ صلی اللہ علیہ وسلم، **وَلٰكِنْ أَبْكِي أَنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ،** فَهَيَّجَتْهُمَا عَلَى الْبُكَاءِ۔ فَجَعَلَا يَبْكِيَانِ مَعَهَا (مسلم)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے ساتھ آؤ کہ ہم حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا سے ملاقات کریں گے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملاقات کے لیے جاتے تھے، جب یہ دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے تو وہ رو پڑیں، اِنھوں نے کہا کہ آپ کیوں رو رہی ہیں، کیا اللہ کے پاس جو اپنے رسول کے لیے ہے وہ بہتر نہیں ہے؟ تو انھوں

نے فرمایا کہ میں اس لیے نہیں رورہی کہ میں نہیں جانتی کہ اللہ کے پاس جو اپنے رسول کے لیے ہے وہ بہتر ہے بلکہ میں اس لیے رورہی ہوں کہ آسمان سے وحی منقطع ہوگئی۔ پھر ام ایمن نے ان دونوں کو بھی رُلا دیا تو یہ ان کے ساتھ رو پڑے۔''

افسوس کہ آج اللہ تعالیٰ کا ہم انسانوں سے کلام کا سلسلہ منقطع ہوگیا (اب اللہ تعالیٰ سے کلام قیامت کے دن حساب کتاب کے موقع پر ہی ہوسکے گا۔)

اسی معنی میں ختم نبوت تکمیل ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔اس کیفیت کا کسی درجے میں احساس کرنے کے لئے مثال ہے کسی باپ اور بیٹے کی، باپ بیٹے کی تربیت کرتا ہے اسے ادب سکھاتا ہے تعلیم دلاتا ہے زندگی گزارنا سکھاتا ہے کاروبار سکھاتا ہے اپنے ساتھ رکھتا ہے اس کے معاملات پر نظر رکھتا ہے اس کی تربیت کرتا ہے اور بالآخر اس کو ایک ذمہ دار انسان بنا دیتا ہے کاروبار الگ کر دیتا ہے۔ایک باادب بیٹے کے لئے اسی مرحلہ میں باپ کا انتقال (کہ ابھی عملی زندگی میں قدم رکھا ہی ہے) کتنا بڑا اور دہلا دینے والا واقعہ ہوسکتا ہے۔

حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کا اُوپر درج 'تاثر' یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سورۃ النصر کے نازل ہونے پر رو دینا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن اور کام (ASSIGNMENT) مکمل ہوگیا ہے لہٰذا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے جائیں گے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حد درجہ جذباتی ہونا، دراصل اتنے بڑے کام کو اپنے ہاتھوں ــــــ وحی کے انقطاع اور اللہ تعالیٰ کی براہِ راست رہنمائی کے بغیر انجام دینے کا احساس تھا جس کا درد لبوں پر آ گیا۔جس کا آج ہمیں احساس تک بھی نہیں۔

یاد رہے کہ قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج (بیویوں) کو اُمہات المومنین فرمایا گیا ہے اور ادب واحترام ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔اسی بات کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اُمت مسلمہ کے تمام افراد کی معنوی مائیں ہیں وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت مسلمہ کے تمام افراد کے معنوی باپ ہیں اور اس اعزاز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کے تمام مسلمان درجہ بدرجہ (اپنے عمل اور اخلاص کے مطابق) شریک ہیں اور یہ بات ہمارے لئے قابل فخر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نرینہ کا زندہ رہ کر بلوغت کو نہ پہنچنا اُمت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معنوی باپ ہونے کا آئینہ دار ہے کہ اس سے ایک 'حسد' اور ناپسندیدہ بحث کا آغاز ہوسکتا تھا جس

سے اُمت کو نقصان ہوسکتا تھا۔ (واللہ اعلم)

اسی بات کا ذکر قرآن پاک میں سورۂ احزاب میں 'ختم نبوت' کے تذکرے کے ساتھ وارد ہوا ہے (33-40) اور یہ قرآن یعنی دو اہم باتوں کا ساتھ ساتھ تذکرہ بہت اہم ہے۔

قرآن مجید کے آخری کلام اور آخری پیغام ہونے یعنی ختم نبوت ہی کا ایک تیسرا تقاضا ہے کہ اب نسل انسانی بڑھے گی آبادی زیادہ ہو جائے گی انسان بہت ہوں گے مگر انبیاء (علیہم السلام) تشریف نہیں لائیں گے اب یہ کام اُمت مسلمہ کو مجموعی طور پر سرانجام دینا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (142:02) ''اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمت معتدل بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزمان) تم پر گواہ بنیں''

اسی طرح کا مضمون سورۂ حج کی آخری آیت میں بھی وارد ہوا ہے (22-78)

اُمت مسلمہ پر ڈالے گئے اس بارگراں کی صحیح صحیح ادائیگی کے لئے اور اُمت کے کمزور طبقات کے کسی ممکنہ عذر کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے اور دنیا گواہ ہے کہ وہی اس اپنے 'آخری کلام' کی حفاظت فرما رہا ہے۔

دنیا بھر میں وحی بیزار طبقات، دین دشمن، اسلام دشمن، حضرت محمد ﷺ کے دشمن اور انسان دشمن لوگوں نے ابلیس کی رہنمائی میں اس مجسم ہدایت، رحمت اور نور یعنی قرآن مجید کو بدلنے اور غائب کرنے کی بے پناہ کوششیں کی ہیں اور کئی کئی بھیس بدل کر اس ناپسندیدہ کام کو کرنے کی سعی کی ہے مگر اب تک بھی ناکام رہے ہیں اور آئندہ بھی ان شاء اللہ قیامت تک ناکام ہی رہیں گے۔

اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس حفاظت قرآن مجید کا براہ راست تعلق اُمت مسلمہ کے فرضِ منصبی کی ادائیگی سے ہے اور بالواسطہ ختم نبوت سے ہے۔

اس کی مزید اہمیت اس بات سے واضح ہوگی کہ تورات، زبور اور انجیل بھی آسمانی کتابیں تھیں اور جلیل القدر ہستیوں کو عطا ہوئی تھیں۔ مگر ان کے ماننے والے بھی کہتے ہیں کہ وہ کتابیں غائب ہوگئیں، یا غائب کر دی گئیں۔ چنانچہ اب جو بائبل کی کتاب ملتی ہے جس میں یہ تینوں کتابیں دی گئی ہیں وہ بعد میں وقتاً فوقتاً لوگوں نے خود لکھی ہیں اور ان کے لکھنے والے لوگ بھی

نامعلوم ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا تھا اس لئے ان کی حفاظت نہیں فرمائی۔اس کا تعلق بھی ختم نبوت سے ہے کہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی وہ غائب ہوگئی تو انبیاء کرام علیہم السلام اور وحی کا سلسلہ جاری تھا۔حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا ہوئی اور آسمانی ہدایت عام ہوتی رہی زبور غائب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرما دی انجیل بھی غائب ہوگئی ـــــ تو قرآن مجید نازل ہوا۔خدانخواستہ یہ قرآن پاک بھی غائب ہوجائے تو رہتی دنیا تک لوگوں کے پاس عذر ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکموں پر کیسے چلتے آسمانی ہدایت تھی ہی نہیں۔ اس عذر کو ختم کرنے (قطع عذر) اور اِتمامِ حجت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا اس کی حفاظت فرمائی اور اُمت مسلمہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

اللہ تعالیٰ مسبّب الاسباب ہے قرآن مجید کی حفاظت کے ضمن میں متعدد اسباب پیدا فرمائے۔نماز میں قرآن پاک کا تلاوت کیا جانا، تراویح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ختم قرآن پاک کا ہونا اور اس کام کے لیے پورے قرآن مجید کو یاد کرنے کا ایک لامتناہی سلسلہ آج بھی اُمت میں جاری ہے جس سے حفاظت قرآن مجید میں مدد مل رہی ہے۔ یہ اسباب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں اور سب سے بڑی بات اور اللہ کا احسان یہ ہے کہ قرآن مجید کو پورا یاد کر لینا انسان کے لئے ممکن بنا دیا ورنہ اتنی موٹی کوئی اور کتاب لفظ بہ لفظ یاد کرنا تقریباً ناممکن ہے اور اس کی کوئی مثال بھی نہیں ہے۔

قرآن مجید کا آخری کلام ہونا اور اس کی حفاظت کا اس پورے پس منظر اور استدلال کے ساتھ مستحضر رکھنا ضروری ہے اور جہاں ضرورت ہو وہاں درسِ قرآنِ مجید کے دوران موقع کی مناسبت سے اس کا اظہار بھی ضروری ہے۔ (جاری ہے)

دو اہم احادیث

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ جَالِسٌ وَ عِنْدَهُ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ وَعَلَيْهِ عَبَائَةٌ قَدْ خَلَّلَهَا عَلٰى صَدْرِهِ بِخِلَالٍ إِذْ نَزَلَ عَلَيْهِ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَقْرَأَهُ مِنَ اللّٰهِ السَّلَامَ وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا لِي أَرٰى

أَبَابَكْرٍ عَلَيْهِ عَبَائَةٌ قَدْ جَلَّلَهَا عَلَى صَدْرِهِ بِجِلَالٍ؟ قَالَ: يَا جِبْرِيلُ أَنْفَقَ مَالَهُ عَلَيَّ قَبْلَ الْفَتْحِ قَالَ: فَأَقْرِئْهُ مِنَ اللّٰهِ السَّلَامَ وَقُلْ لَهُ: يَقُولُ لَكَ رَبُّكَ: أَرَاضٍ أَنْتَ عَنِّي فِي فَقْرِكَ هَذَا أَمْ سَاخِطٌ؟ فَالْتَفَتَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ هَذَا جِبْرِيلُ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ مِنَ اللّٰهِ وَيَقُولُ: أَرَاضٍ أَنْتَ عَنِّي فِي فَقْرِكَ هَذَا أَمْ سَاخِطٌ؟ فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ: أَعَلَى رَبِّي أَغْضَبُ؟ أَنَا عَنْ رَبِّي رَاضٍ أَنَا عَنْ رَبِّي رَاضٍ۔

(الکتاب: حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، المؤلف: أبونعیم أحمد الأصبهانی)

’’ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود تھے اُن پر ایک چغہ تھا جس سے اُنہوں نے اپنا سینہ ڈھانپا ہوا تھا۔ اسی دوران حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو اللہ کا سلام پیش کیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے کہ ابوبکر نے اپنا سینہ چغے سے ڈھانپا ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جبریل: اس نے فتح (مکہ) سے پہلے اپنا مال مجھ پر خرچ کر دیا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ ان کو اللہ کی طرف سے سلام کہہ دیں اور ان سے پوچھیں کہ تمہارا کا رب تم سے پوچھتا ہے کہ تم اس فقر میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض ہو؟ تو نبی اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے ابوبکر: یہ جبریل علیہ السلام آئے ہیں جو آپ کو اللہ کی طرف سے سلام کہہ رہے ہیں اور اللہ پوچھ رہا ہے کہ تم اس فقر میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آب دیدہ ہوگئے اور عرض کیا بھلا میں اپنے رب سے ناراض ہوسکتا ہوں میں تو اپنے رب سے راضی ہوں میں تو اپنے رب سے راضی ہوں۔‘‘

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَجَائَتْ خَدِيجَةُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا جِبْرِيلُ هٰذِهِ خَدِيجَةُ، فَقَالَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: أَقْرِئْهَا مِنَ اللّٰهِ السَّلَامَ وَمِنِّي (المعجم الکبیر للطبرانی)

’’روایت ہے کہ حضرت جبریل نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آ گئیں۔ نبی ﷺ نے جبریل کو مخاطب کرتے فرمایا کہ یہ خدیجہ ہے۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ ان کو اللہ کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہہ دیں۔‘‘

اہل علم بالخصوص طالبانِ علم حدیث کے لیے ایک عظیم علمی پیشکش اور نادر تحفہ

شرح صحیح مسلم

تالیف : شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہٗ

شرح ''مقدمہ'' صحیح مسلم جلد اوّل

حدیث کی جلیل القدر کتاب ''صحیح مسلم'' کی سہل ترین دلنشین تشریح، حدیث اور فقہ کے علمی مباحث کا سلجھا ہوا بیان، نقد حدیث کے نادر مباحث، بیانِ مذاہب، دلائل اور مذہب راجح کے وجوہِ ترجیح، حل نسخہ اور مشکل لغات کی توضیح، معرکۃ الآراء موضوعات پر محدثانہ، فقیہانہ اور حکیمانہ گفتگو، محدثین علماء دیوبند کے مزاج اور مسلک اعتدال کے عین مطابق، جدید دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے طرز کی پہلی، انوکھی، دلچسپ اور مفصل اردو شرح، خالص درسی اور تدریسی انداز، مؤلف کی پینتیس (۳۵) سالہ علمی، تحقیقی، مطالعاتی زندگی اور تدریسی تجربات کا نچوڑ، اساتذہ کی طرح طلبہ دورۂ حدیث کے لیے بھی اخذ و استفادہ بہت آسان، شرح مسلم سے استفادہ بیسیوں شروحات کے مطالعے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

جلد اوّل ۵۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اور ہدیہ ۶۰۰ روپے ہے

راویانِ ''مقدمہ'' صحیح مسلم جلد دوم

فن اسماء الرجال، علم جرح و تعدیل کا ایک علمی اور تحقیقی جائزہ، صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا سند و ثبوت کا مطالبہ اور حضرت علی المرتضیٰ کا حلف دینے کا التزام، تحریر و زبانی شہادت کا اہتمام، تابعین کے دور میں سند کا مطالبہ، اسناد دین کا حصہ ہیں، اسناد کی اہمیت و ضرورت اور ان جیسے متعدد عنوانات کے تحت سیر حاصل علمی مباحث، دو سو ستانوے (۲۹۷) ''راویانِ مقدمہ صحیح'' کے مفصل حالات، فضل و تفوق، حیرت انگیز کمالات اور ایمان افروز واقعات کا حسین مرقع۔

جلد دوم ۵۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اور ہدیہ ہے ۶۰۰ روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ کے پی کے پاکستان

0346-4010613---0301-3019928

یورپ جاگ اٹھتا ہے

(گذشتہ سے پیوستہ)

انجینئر مختار فاروقی

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یورپ کے خمیر میں یونانی نظریات اور کلچر بھی ہے اور رومی اندازِ فکر اور طرزِ حکومت بھی۔ نیز رومن لا اپنی پوری بربریت اور ظلم کے ساتھ موجود ہے تو ــــــ آیئے آگے بڑھنے سے پہلے یورپ کے اس مزاج پر رومن بادشاہوں کے خاندان اور شجرۂ نسب پر بھی سرسری نگاہ ڈال لیتے ہیں۔

رومی بادشاہوں کا خاندانی پس منظر

روم ــــــ یورپ کے ایک معروف و مشہور ملک اٹلی میں ہے اور یہیں سے اُٹھنے والے بادشاہ رومی بادشاہ کہلائے۔ رومی بادشاہت کی تاریخ 753 ق م سے شروع ہوتی ہے۔ یہ حکومت پہلے بادشاہت (KINGDOM) تھی دو صدیوں بعد کہا جاتا ہے اس بادشاہت نے آئینی بادشاہت (REPUBLIC) کا روپ دھار لیا اور کوئی چار صدیوں تک اسی سمت میں سفر کرتے کرتے اس خاندانی بادشاہت نے ایک عظیم شہنشاہیت (EMPIRE) کی شکل اختیار کر لی۔

رومی بادشاہوں کی ابتدا بڑی دلچسپ بھی ہے اور حیران کن بھی۔ دلچسپی کا پہلو تو فطری ہے کہ ایک خاندان نے 'حکمرانی' کا خواب دیکھا اور اس خواب کو سچا کر دکھایا، نہ صرف یہ بلکہ 2000 سال تک یہ سلطنت دنیا کے ایک حصے پر موجود رہی اور اس نے اپنا وجود قائم رکھا۔ اس

سلطنت کی ابتدائی شکل ـــــ بادشاہت (KINGDOM) کے انداز حکومت پر نظر ڈالیں یا 'ریپبلک' اور 'ایمپائر' کے دور پر۔ حکومتی جبر، ظلم، بربریت، سفاکی اور درندگی کی حد تک گری ہوئی حیوانیت سب زمانوں میں قدرے مشترک کے طور پر موجود ہے۔

(برعظیم جنوبی ایشیا میں برطانوی ظالمانہ استعمار کے غاصبانہ قبضے کو مضبوط بنانے کے لئے ایک نظامِ تعلیم کی بنیاد 1835ء میں رکھی گئی تھی۔ یہ سارا نظامِ تعلیم ایک شخص لارڈ میکالے کے ذہن کی پیداوار تھا۔ یہ شخص کون تھا جو 3 سال کے لئے برطانوی ہند میں آیا اور یہاں کے پرسکون ماحول میں زہر گھول کر چلا گیا؟ قدیم 'رومن ایمپائر' کا پرستار لارڈ میکالے جس نے اس قدیم ظالمانہ حکومت کے دور کے مرثیے یا خوشگوار یادیں لکھے ہیں جب انگلستان بھی اسی عظیم سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ کتاب کا نام ہے "LAYS OF ANCIENT ROME"۔ لارڈ میکالے کی محبوب اور آئیڈیل شہنشاہیت کی ابتدا کیسے ہوئی ـــــ یہ یورپی تاریخ کا اہم باب ہے۔ یاد رہے کہ 1776ء میں امریکہ میں، 1789ء میں فرانس میں (انقلابِ فرانس) اور برطانیہ میں بھی جمہوریت آچکی تھی جبکہ لارڈ میکالے کی وفات 1858ء کی ہے۔)

یہ تاریخ حیران کن اس لئے ہے کہ اگر تاریخ کے اوراق میں یورپی سلطنت کے بانیوں کے بارے میں یہ واقعات زبان زد عام نہ ہوتے اور کتابوں میں یہ قابل فخر قدیم کہانی (LEGEND) درج نہ ہوتی تو بعد کے رومی بادشاہوں کی (2000 سال تک جاری رہنے والی) درندگی اور بربریت 'ناقابل اعتبار' قرار پاتی اور اس پر یقین کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یورپی تاریخ میں خود اہل یورپ کے بیان کردہ اس 'MYTH' کی موجودگی نے رومی بادشاہوں کے طرز حکومت اور اندازِ فکر کی توجیہ کا مسئلہ بہت آسان کردیا ہے۔ ہم یہاں آسانی کے لئے انٹرنیٹ سے ANCIENTROME کے نام سے WIKIPEDIA_THE FREE ENCYCLOPEDIA پر موجود تفصیلات ہو بہو دے رہے ہیں۔ جو یہ ہیں:

Founding myth

Main article: Founding of Rome

According to the founding myth of Rome, the city was

founded on 21 April 753 BC by twin brothers Romulus and Remus, who descended from the Trojan prince Aeneas and who were grandsons of the Latin King,Numitor of Alba Longa. King Numitor was deposed from his throne by his brother, Amulius, while Numitor's daughter, Rhea Silvia, gave birth to the twins. Because Rhea Silvia was raped and impregnated byMars, the Roman god of war, the twins were considered half-divine.

The new king feared Romulus and Remus would take back the throne, so he ordered them to be drowned. A she-wolf (or a shepherd's wife in some accounts) saved and raised them,and when they were old enough, they returned the throne of Alba Longa to Numitor.

The twins then founded their own city, but Romulus killed Remus in a quarrel over the location of the Roman Kingdom, though some sources state the quarrel was about who was going to rule or give his name to the city. Romulus became the source of the city's name. In order to attract people to the city, Rome became a sanctuary for the indigent, exiled, and unwanted. This caused a problem for Rome, which had a large workforce but was bereft of women. Romulus traveled to the neighboring towns and tribes and attempted to secure marriage rights but as Rome was so full of undesirables they all refused. Legend says that the Latins invited the Sabines to a festival and stole their unmarried maidens, leading to the integration of the Latins and the Sabines.

Another legend, recorded by Greek historian Dionysius of Halicarnassus, says that Prince Aeneas led a group of Trojans on a sea voyage to found a new Troy, since

the original was destroyed in the outcome of the Trojan War. After a long time in rough seas, they landed at the banks of the Tiber River. Not long after they landed, the men wanted to take to the sea again, but the women who were traveling with them did not want to leave. One woman, named Roma, suggested that the women burn the ships out at sea to prevent them from leaving. At first, the men were angry with Roma, but they soon realized that they were in the ideal place to settle. They named the settlement after the woman who torched their ships.

The Roman poet Vergil recounted this legend in his classical epic poem the Aeneid. In the Aeneid, the Trojan prince Aeneas is destined by the gods in his enterprise of founding a new Troy. In the epic, the women also refused to go back to the sea, but they were not left on the Tiber. After reaching Italy, Aeneas, who wanted to marry Lavinia, was forced to wage war with her former suitor, Turnus. According to the poem, the Alban kings were descended from Aeneas, and thus, Romulus, the founder of Rome, was his descendant.

قارئین کرام کی دلچسپی کے لیے اس عبارت کا اُردو ترجمہ بھی حاضر ہے۔ اطمینان کے لیے انگریزی عبارت پر خود بھی غور فرما کر 'مفہوم' تک رسائی ہوسکتی ہے۔

''روم کی آبادکاری کی داستان کے مطابق، اس شہر کو دو جڑواں بھائیوں رومولس اور ریمس نے، 21 اپریل 753 ق م کو آباد کیا۔ یہ دونوں بھائی البالونگا کے لاطینی بادشاہ نومیٹر کے نواسے اور طورجان کے شہزادے انیس کی اولاد میں سے تھے۔ نومیٹر بادشاہ کو اس کے تخت سے اس کے بھائی امولیس نے اس وقت ہٹا دیا جب اس کی بیٹی ری سلوی نے دو بیٹوں کو جنم دیا۔ چونکہ ری سلوی، رومن جنگ کے

سپہ سالار مارس نامی شخص کی جنسی زیادتی کی وجہ سے حاملہ ہوئی تھی اس لیے ان دونوں جڑواں بھائیوں کو دیوتاؤں کی عطا سمجھا گیا۔

نئے بادشاہ نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ رومولس اور ریمس ان سے تخت حکومت واپس لے لیں گے ان دونوں بھائیوں کو پانی میں غرق کرنے کا حکم دے دیا لیکن ایک مادہ بھیڑیا نے ان کو بچالیا اور ان کی پرورش کی۔ جب وہ دونوں جوان ہو گئے تو انہوں نے واپس آ کر البا لونگا کی حکومت دوبارہ نومیٹر کو دلا دی۔

پھر ان دونوں بھائیوں نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔ لیکن رومولس نے اپنے بھائی ریمس کو رومن باشاہت کے سلسلہ کی ایک لڑائی میں قتل کر دیا۔ بعض ذرائع کے مطابق یہ لڑائی شہر کے نام اور اس پر حکومت کے حق کی وجہ سے ہوئی۔ اس شہر کو رومولس کے نام پر روم نام مل گیا۔ یہ علاقہ مفلسوں، پناہ گزینوں اور غیر قانونی مطلوب اشخاص کی آماجگاہ ہونے کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔ اس کی بہت بڑی آبادی عورتوں پر ظلم کرنے اور ان سے سامان چھیننے کی عادت میں پڑ گئی۔ رومولس نے اپنے قریبی بستیوں اور قبائل کے دورے کیے اور خواتین کے حقوق کے تحفظات کی کوشش کی۔ لیکن رومی بہت بری عادتوں میں پھنس چکے تھے لہٰذا انہوں نے انکار کر دیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ لاطینیوں نے صابینز کو ایک تہوار میں شرکت کی دعوت دی اور ان کی کنواری دوشیزاؤں کو اغوا کر لیا، یہ واقعہ لاطینیوں اور صابینز میں علیحدگی کی وجہ بن گیا۔

ایک اور تاریخی واقعہ جو کہ گریک کے تاریخ دان ڈائیونائس آف ہالی کارناسس نے لکھا ہے کہ وہ انائیس شہزادے (طورجان گروپ کا لیڈر) نے سمندر کے سفر کے دوران ایک تجارت کا نیا سسٹم ایجاد کیا کیونکہ اصلی سسٹم طورجان کی لڑائی کے دوران تباہ ہو گیا تھا۔ سمندر کے کافی طویل سفر کے بعد وہ دریائے طابر کے کنارے لنگر انداز ہوئے۔ تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد قافلے میں مردوں نے دوبارہ سفر شروع کرنے کا ارادہ کیا مگر عورتوں نے وہ جگہ چھوڑتے سے انکار کر دیا۔ ایک روما نامی

لڑکی نے تجویز پیش کی کہ عورتیں اس جگہ کو نہ چھوڑنے کی وجہ سے کشتیاں جلا دیں۔ پہلے پہل تو مردوں نے روما سے ناراضی ظاہر کی لیکن جلد ہی محسوس کیا کہ یہ جگہ آبادکاری کے لحاظ سے بہترین اور موزوں جگہ ہے۔ پھر انہوں نے اس جگہ کو روما کا نام دے دیا۔

رومن شاعر ورگل پانی کلاسک نظم ''آنئڈ'' میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ طورجان شہزادہ آنیس دیوتاؤں کی عطا ہے جس نے نیا تجارتی سسٹم متعارف کرایا۔ اس نظم کے مطابق عورتوں نے سمندر کا دوبارہ سفر کرنے سے انکار کر دیا لیکن ان کو ٹائبر پر بھی رہنے دیا گیا۔ اٹلی پہنچنے کے بعد شہزادہ آنیس (جو کہ لیونیہ سے شادی کا خواہشمند تھا) کو اپنے حکمران کے ساتھ جنگ کرنے پر مجبور کر دیا۔ شاعر کے مطابق ابھان بادشاہ آنیس کی اولاد میں سے تھا اور اسی طرح رومولیس (روم کا بانی) اس انیس کی اولاد میں سے تھا۔

رومی سلطنت کے بانی دو افراد 'رومولس' اور 'ریمس' ہیں۔ اس کہانی پر مبنی مجسمہ بھی موجود ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ 'مادہ بھیڑیا' کے چہرے کو ہم نے خود عبارت درج کر کے چھپا دیا ہے۔

According to legend, Rome was founded in 753 BC by Romulus and Remus, who were raised by a she-wolf.

اس انداز میں تربیت پانے والے افراد کے ہاتھوں جس سلطنت کی بنیاد پڑی اس کے اخلاق (MANNERS)، اقدار (VALUES)، عزائم (AMBITIONS) اور کامیابیوں (ACHEIVEMENTS) کے بارے میں کسی طویل مقالے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی حد تک 'انسانی' (HUMAN) کہلائے جا سکتے ہیں۔ اور رومی سلطنت کا یہ پہلو ابتدا ہی سے اس قدر واضح اور ناقابل تردید ہے کہ اس کے بارے دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔

یونان ___ یونانی نظریات ___ یونانی کلچر

یورپ کے مجموعی مزاج میں یورپ ہی کے بحیرہ روم کے ساحل پر واقع علاقہ یونان کے لوگوں کے عروج کا بڑا عمل دخل ہے۔ یونان جغرافیائی اعتبار سے یورپ، مغربی ایشیا اور افریقہ کو جانے والے قدیم تجارتی راستوں کے سنگم پر واقع ہے۔ ہر تہذیب جس نے ترقی کرکے عروج حاصل کیا ہے اسے خوشحالی کے دور میں اجتماعی طور پر دبی ہوئی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملا ہے اور نظریات پختہ ہوئے ہیں۔ پھر اس نے اپنے عروج کی چند صدیوں میں اپنے طرزِ بود و باش، نظریات، عبادات، رسومات، کھیل کود کے طریقے اور خوشی غمی کے انداز میں ایک کلچر کا روپ دھار لیا ہے۔ ہر تہذیب اور تمدن کی یہی کہانی ہے۔ یونانی تہذیب اور یونانی کلچر کی کہانی بھی یہی ہے۔

روس اور شمالی یورپ کے علاقے سائبیریا سے اُٹھنے والے عالمی فاتحین ____ نے جب متمدن دنیا کا رُخ کیا ہے اور ہند، ایران اور مشرقِ وسطیٰ اور عرب تک پہنچے ہیں تو یقیناً ان کی ابتدائی یلغار اور علاقوں کے فتح کرنے میں بربریت، ظلم اور سفا کی تو بڑا دخل ہے اور وسائل زندگی پر قبضہ کے ساتھ پرآسائش زندگی کے حصول کی خاطر دوسرے انسانوں کا بے دریغ قتل اور صفایا کر دینا ہی سب سے نمایاں ہے شمالی علاقہ جات سے سیاسی و عسکری قوت کا یہ سیلاب دو چار صدیوں کے بعد آکر تباہی مچاتا رہا ہے۔ تاہم ہر آنے والا اس متمدن علاقے میں آکر بربریت چھوڑ کر انسانیت کے اوصاف سے مالا مال ہو جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تو دنیا بھر میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام آتے رہے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام (زمانہ 2000 ق م) کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کو پیغمبری کے لئے مختص کرلیا۔ تو گویا 1800 ق م کے بعد کوئی نبی اولادِ ابراہیم کے باہر نہیں اُٹھا۔

لہٰذا شمالی علاقہ جات سے سیاسی و عسکری قوت کا جو سیلاب ایران، مشرقِ وسطیٰ، عرب، مصر وغیرہ میں داخل ہوا وہ تو نورِ وحی اور تعلیماتِ انبیاء سے منور ہو کر مہذب انسان بن گئے مگر سائبیرین قبائل، یورپ ہند یا مشرقِ بعید میں آباد ہوئے وہ آسمانی ہدایت سے محروم رہ گئے۔

یونان میں بسنے والے سیتھین قبائل بھی بدقسمتی سے ایسے ہی قبائل تھے جو بوجوہ 1800 ق م سے 800 ق م تک کسی آسمانی ہدایت اور نورِ وحی سے متعارف نہ ہو سکے۔ یونانی قوم

بھی شرک و بت پرستی کے اندھیرے میں رہی لہٰذا اخلاقی اعتبار سے بھی انسانیت کے مقابلے میں حیوانیت کے زیادہ قریب تھی۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ گو تمام انسانی آبادیوں میں قلیل تعداد میں باضمیر اور با اخلاق لوگ ہوتے ہیں جو خدا پرستی ضمیر اور محاسبہ اُخروی کے قائل ہوتے ہیں مگر دنیاوی عروج کے دور میں طاقت اور وسائل کے نشہ میں قوم کے بااثر لوگ (جو مزاجاً وطبعاً برائی، بے حیائی اور لوٹ کھسوٹ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں) اس حق پرست طبقہ کو دبوچ کر بے اثر کر دیتے ہیں۔ پھر نبوت کی روشنی اور آسمانی ہدایت کا سایہ نہ ہو تو ایسی قومیں خودسری، انانیت، تکبر کی علامت بن جاتی ہیں۔ انسان بادشاہ بن کر خدائی کا دعویٰ کر دیتے ہیں اور خالق ارض وسماء کی طرح انسانیت پر اپنا خود ساختہ (MAN-MADE LAW) چلانے اور نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس دورِ عروج کے نتیجے میں تہذیب اور کلچر کا جو ایڈیشن تیار ہوتا ہے وہ بے حیائی، شراب، جوا، عالی شان محلات، عیاشی و بدمعاشی کا 'حسین' مرقع ہوتا ہے جبکہ انسانیت، اخلاق، آسمانی ہدایت، اللہ اور آخرت کا کوئی تصور ڈھونڈھنے سے نہیں ملتا۔

بدقسمتی سے یونان اور روم کے بادشاہوں کے ساتھ ہی سانحہ پیش آ گیا ایسے سانحات تو تاریخ میں بے شمار قوموں تہذیبوں اور شاہی خاندانوں کے ساتھ پیش آئے ہیں اور وہ اب تاریخ کا حصہ ہیں مگر افسوس اس بات کا ہے اور قابل رحم ہے اس قوم کی حالت جو جغرافیائی طور پر یورپ میں بسنے والے ان لوگوں اور یونانی و رومی تہذیب کو اپنا آئیڈیل (IDEAL) یا محبوب اور 'صنم' قرار دے کر اس معنوی بت کو پوج رہے ہیں ـــــــ یا حسرةً علَی العباد

آج کے یورپ کا قبلہ و کعبہ ـــــــ آئیڈیل ـــــــ علم و ہدایت کا منبع تہذیب و ثقافت کا لائٹ ہاؤس (LIGHT HOUSE) یہی دورِ جہالت ہے۔

آسمانی ہدایت ـــــ بنی اسرائیل اور یورپ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد عرب میں آباد ہوئی تو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد نے فلسطین (یروشلم) میں سکونت اختیار کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بے شمار نبی ان علاقوں میں آئے جہاں بنی اسرائیل آباد تھے

اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اس اعزاز (ہدایت اور نبوت) کی مناسبت سے پوری دنیا میں اس ہدایت کا نور پھیلانے کا مقام بھی دے دیا اور وسائل بھی مہیا کر دے۔

عالمی تجارت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی ہزار ڈیڑھ ہزار سال پہلے سے جاری تھی گو ابھی سادہ اور غیر ترقی یافتہ تھی اور یوں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے درمیان رابطے استوار ہو گئے تھے جو وقت کے ساتھ منظّم ہو کر پختہ ہوتے چلے گئے۔

اس عالمی تجارت کا ایک فطری و منطقی تعلق سائبیرین، منگول اور روسی علاقہ جات سے آ کر متمدن دنیا میں آباد ہونے والے انسانوں سے جڑتا ہے کہ جیسے ہی وہ معاشی طور پر آسودہ ہوئے انہیں اپنے وطن یاد آیا اور اُنہوں نے وہاں آنا جانا شروع کر دیا (آج سعودی عرب میں دس لاکھ سے زیادہ پاکستانی کام کرتے ہیں لہٰذا ان کا صرف گھر آنا جانا ہی وہاں کی چیزیں اور تحائف یہاں لانا یہاں سے مختلف چیزیں وہاں لے جانا تجارت کی بنیاد بنتا ہے۔) ان قوموں کے لئے سفر کوئی نئی بات نہیں تھی۔ علاقہ اُن کا اپنا تھا زبان نسل وغیرہ کی کوئی رکاوٹ (BARRIER) نہیں تھی لہٰذا عالمی تجارت کا خاکہ اس دور میں بنا اور اس کی داغ بیل ڈال دی گئی۔

اللہ تعالیٰ اس عالمی تجارت اور عالمی رابطوں کو استعمال کر کے آسمانی ہدایت اور انسانوں کی رہنمائی کے لئے جو قوم منتخب کی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہے گویا حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے اس متمدن علاقے میں آباد انسانوں کی اولاد میں سے بھی آسمانی ہدایت کے نور سے منور اور انبیاء کرام علیہم السلام کے زیر تربیت رہنے والے لوگ باقی دنیا کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے ـــــــ چنا، حضرت شعیب علیہ السلام (1800_1900 ق م) کی قوم مدین میں آباد تھی جو شمال جنوب جو مشرق و مغرب کی تجارتی شاہراہ کا دوسرا سنگم تھا۔ گویا یہ تجارت اس سے پہلے سے جاری تھی۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کوئیں میں ڈالا تو جس قافلہ نے اُن کو اُٹھایا اور مصر لا کر فروخت کر دیا وہ اسی عالمی تجارت اور اس کی شاہراوں کی طرف اشارہ ہے پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی اسی عالمی تجارت کے سنگم کے علاقے میں وسیع حکومت کا پہلے اہم آدمی اور پھر حکمران بن جانا ـــــــ گویا بنی اسرائیل کو عالمی تجارت میں 'باعزت' داخلے کی سند تھی پھر حضرت یوسف علیہ السلام 12 بھائی تھے اولاد بڑھ گئی ہو گی اور کچھ حکومتی معاملات میں رہتے ہوں

گے تو اولاد کا بڑا حصہ عالمی تجارت میں داخل ہو گیا۔ چند صدیوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہی بنی اسرائیل قبطی حکمرانوں (فرعونوں) کے زیر عتاب تھے اور غلام تھے تو بھی بنی اسرائیل کا ایک شخص قارون بے پناہ دولت کا مالک تھا۔ یہ اسی عالمی تجارت کا فیض تھا کہ بنی اسرائیل کا مخلص گروہ زیر عتاب تھا اور دنیا دار طبقہ 'عیش' کر رہا تھا (جیسے آج کل ہمارے ہاں مخلص دین دار طبقہ امریکہ کے زیر عتاب ہے اور 'دہشت گرد' کہلاتا ہے اور ہمارے ہی بعض مسلمان بھائی امریکہ سے ڈالر لے کر اس کے گن گاتے ہیں اور قارون بنے ہوئے ہیں اور غیر ملکی (عالمی سطح پر) بنکوں میں اربوں ڈالر جمع کرا رکھے ہیں۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تین صدیوں بعد حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت قائم ہوئی تو یہ ایک صدی بنی اسرائیل کے عروج کی صدی ہے اس کا دارالحکومت تو یروشلم تھا مگر اس کی حدود وسیع علاقے تک پھیلی ہوئی تھیں جبکہ تجارتی رابطے اور بنی اسرائیل کے ساھوکاروں کا کاروبار دنیا بھر میں موجود تھا۔ پھر دورِ زوال آ گیا اور بنی اسرائیل کے مخلص لوگوں کی تعداد کم اور شریر لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی ساری دنیا کو ہدایت کے نور سے منور کرنے کی ذمہ دار اس قوم نے عالمی تجارت سے پیسہ تو خوب کمایا عزت بھی حاصل کی مگر آسمانی ہدایت پر نہ خود عمل کیا نہ اس کو دوسروں تک پہنچانے کا فرض ادا کیا۔

اس قوم بنی اسرائیل کے رابطے 600 ق م سے قبل بھی رومیوں اور یونانیوں کے علاقوں سے تھے اور بعد میں بھی رہے اور بنی اسرائیل کے عالمی تجارت کے علاقائی ذمہ داران (ZONAL MANAGERS) ہر بڑے عالمی مرکز میں موجود ہوتے تھے تو یونان اور روم کے طارجان (TROGAN) کے حکمرانوں کے ہاں بھی ہوں گے۔ جو رومی بادشاہوں اور یونانی حکمرانوں کے آباؤ اجداد تھے۔

600 ق م کے قریب رومی بادشاہ اُٹھے اور یونانی تہذیب کی داغ بیل پڑنے لگی تو اس علاقے میں یہود کے رابطے بھی تھے اور تجارت بھی جو بعد کے ادوار میں مستحکم ہوتے چلے گئے۔ افسوس کہ بنی اسرائیل قتل انبیاء کے جرم میں خود بارگاہ الٰہی میں مردود ہوئے تو خود بھی آسمانی ہدایت سے محروم ہو گئے اور دوسروں کو بھی اس کی ہوا نہیں لگنے دی۔ اس کے برعکس بنی اسرائیل شیطانی اور

ابلیسی طور طریقوں، طرزِ زندگی اور اندازِ حکمرانی کی سرپرستی کرکے اس کے زیرِ سایہ 'عیش' کرنے کے خواب دیکھتے رہے۔

ہمارے نزدیک یورپ کے تہذیبی اور ثقافتی پس منظر میں رومی حکمرانوں کے طریقے، یونانی حکمرانوں کی عیاشی ظلم اور یونانی فلاسفہ کے اخلاق سوز نظریات کے علاوہ بنی اسرائیل کے شیطانی اور ابلیسی عزائم کا جال بھی بچھا ہوا ہے جس میں سب جکڑے ہوئے ہیں۔

مسلمان مغرب سے زیادہ مہذب ہیں!

ایک تمدنی جائزہ

محمد نوشاد خان/ترجمہ: امجد عباسی

(بشکریہ ماہنامہ ''خطیب'' لاہور، مارچ 2014ء)

اہل مغرب اپنے آپ کو مہذب، متمدن، باشعور، امن دوست، انسانی حقوق اور فرد کی آزادی کا احترام کرنے والے اور ترقی یافتہ کہتے ہیں، جبکہ مسلمانوں کو غیر مہذب، پس ماندہ، رجعت پسند، انسانی حقوق بالخصوص خواتین کی آزادی پر قدغن عائد کرنے والے، متشدد، دہشت گرد اور اسلام کو تشدد پر اُبھارنے والا مذہب قرار دیتے ہیں۔ بالعموم مغربی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کی منفی تصویر ہی پیش کرتے ہیں۔ گویا مغرب مہذب ہے اور مسلمان غیر مہذب اور جدید تہذیب اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

اہل مغرب اپنے اس دعوے میں کس حد تک سچے ہیں، کتنے متمدن، مہذب، امن دوست اور تہذیب یافتہ ہیں —— اس کی حقیقت کا تمدنی جائزہ ڈاکٹر جاوید جمیل نے اپنی کتاب "MUSLIM MOST CIVILISED, YET NOT ENOUGH" (مشن پبلی کیشنز SARITA VIHAR, 214-K نئی دہلی، بھارت) میں لیا ہے۔ مصنف نے مسلمانوں کے خلاف مغربی پروپیگنڈے کا مختلف سماجی حوالوں اور اعداد و شمار سے جائزہ لیتے ہوئے اس بات کو واضح کیا ہے کہ مسلمان اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود آج بھی مغرب سے زیادہ مہذب ہیں۔

آج بھی قتل و غارت، تشدد، جنسی تشدد، اسقاطِ حمل، شراب نوشی، جواء، عصمت فروشی، فحاشی و عریانی خودکشی، طلاق، ہم جنس پرستی، بچوں کا جنسی استحصال، والدین اور بزرگوں کے مسائل، تعلیم،

اقتصادی ترقی اور دیگر حوالوں سے اسلامی ممالک کی تمدنی صورتِ حال سماجی پیمانوں اور اعداد و شمار کے لحاظ سے بحیثیت مجموعی مغرب سے بہتر ہے۔

مغرب میں انسانی جان کا کس قدر احترام کیا جاتا ہے، اس کا اندازہ لگانے کے لئے اگر دنیا کے 50 ممالک میں شرحِ قتل کا جائزہ لیا جائے تو ان میں مغربی ممالک سرفہرست ہیں، جبکہ مسلم ممالک میں قتل کی شرح مقابلتاً بہت کم ہے۔ امریکہ میں شرحِ قتل مسلم ممالک کے مقابلے میں 10 گنا زیادہ ہے۔ اسی طرح زنا بالجبر کے واقعات کے لحاظ سے امریکہ، جنوبی افریقہ، فرانس جرمنی اور آسٹریلیا دنیا کے 50 ممالک میں سے 10 سرفہرست ممالک میں سے ہیں۔ دنیا میں ایک کروڑ 60 لاکھ قتل کئے جانے والے افراد میں سے ایک کروڑ 35 لاکھ افراد کا تعلق ان ممالک سے ہے جنہیں ترقی یافتہ اور طاقت ور ترین شمار کیا جاتا ہے، یعنی چین، امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس۔ ان کے مقابلے میں مسلم ممالک میں جو دنیا کی آبادی کے 1/5 سے زیادہ پر مشتمل ہیں، شرحِ قتل مقابلتاً بہت کم ہے۔

خاندان جو کسی بھی تہذیب و تمدن کی بنیادی اکائی ہے، اس کی تشویش ناک صورتِ حال کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مغربی ممالک میں بغیر شادی کے (سنگل پیرنٹ) جنم لینے والے بچوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ 2008ء میں بن باپ کے جنم لینے والے بچوں کا تناسب 40.6 فیصد تھا۔ اسی طرح یونان میں یہ شرح 5 فیصد، سائپرس میں 9 فیصد، ایسٹونیا میں 58 فیصد اور آئس لینڈ میں 64 فیصد ہے۔ یورپ میں اس شرح میں تشویش ناک حد تک 46 فیصد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ اس کے مقابلے میں مسلم ممالک میں یہ شرح تقریباً نظر انداز کئے جانے کے مترادف ہے۔ اسی طرح نام نہاد مہذب مغربی دنیا میں 5 سے 7 کروڑ بچے ہر سال اسقاطِ حمل کی نذر کر دیئے جاتے ہیں، جبکہ مسلم ممالک میں اس کی شرح بہت کم ہے۔ نوجوان بچیوں میں شرحِ حمل مغرب کی انتہائی زیادہ شرح کے حامل ممالک کے مقابلے میں مسلم ممالک اس فہرست میں کہیں نظر نہیں آتے۔

عورت کی آزادی کے علم بردار مغرب میں عصمت فروشی کو باقاعدہ پیشہ قرار دے کر عورت کی کس طرح تذلیل کی جا رہی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ

میں 3 لاکھ 25 ہزار سے زیادہ خواتین جن میں 17 سال سے کم عمر بچیاں بھی بڑی تعداد میں شامل ہیں، عصمت فروشی اور عریاں ویڈیو سازی کی صنعت سے وابستہ ہیں۔ یہ یقیناً عورت کا استحصال ہے اور اسے ایک تجارتی جنس بنانے کے مترادف ہے۔

مغرب میں فرد کی آزادی کا 'احترام' کرتے ہوئے 'ہم جنسیت' کے حق کا بھی 'احترام' کیا جاتا ہے اور اسے اب قانونی تحفظ بھی فراہم کیا جا رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں جو اخلاقی انحطاط اور معاشرتی انتشار پیدا ہوگا اس سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں ہم جنسیت جیسا گھناؤنا فعل عام ہوتا جا رہا ہے اور باقاعدہ شادیاں رچائی جا رہی ہیں۔ 'مہذب' مغرب کے مقابلے میں مسلم ممالک میں 'ہم جنس پرستوں' کی باہمی شادی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

شراب جوامُ الخبائث ہے، فساد کی جڑ، بہت سی بیماریوں، حادثات اور جرائم کا ایک بڑا سبب ہے، مگر مغرب نے اسے اپنی معاشرتی روایت قرار دے رکھا ہے۔ دنیا میں تقریباً ایک کروڑ 40 لاکھ سے زائد افراد شراب نوشی کے نتیجے میں مختلف امراض سے دوچار ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ صرف امریکہ میں اس بنا پر ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہے۔ مسلم دنیا میں شراب نوشی کا تناسب بہت کم ہے۔ دنیا کے 30 ایسے ممالک جہاں شراب نوشی عام ہے، اس فہرست میں صرف ایک مسلم ملک ترکی کا نام ہے اور وہ بھی سب سے آخر میں۔ اس لحاظ سے بھی مسلم ممالک مغرب سے زیادہ مہذب ہیں۔ اسی طرح جوا اور قمار بازی کا معاملہ ہے۔ دنیا کے 10 ممالک جہاں جوا عام ہے، وہ مغربی ممالک ہیں، جبکہ مسلم ممالک میں اس کا رواج بہت کم ہے۔

مسلم ممالک میں اگر شرح خواندگی کا جائزہ لیا جائے تو قازقستان، ترکمانستان اور آذربائیجان میں 99 فیصد شرح خواندگی ہے اور یہ امریکہ اور برطانیہ کے ہم پلہ ہیں۔ ازبکستان، بوسنیا، برونائی دارالاسلام، کویت، فلسطین، قطر، انڈونیشا، ملائیشیا، اُردن، عرب امارات میں شرح خواندگی 90 فیصد سے زیادہ ہے، جب کہ لبنان، بحرین، ترکی، لیبیا، سعودی عرب، شام، ایران اور عمان میں یہ شرح 80 فیصد سے زائد ہے۔ سائنسی میدان میں ترقی کے حوالے سے بھی مسلم دنیا میں پیش رفت ہو رہی ہے۔ 2010ء کے ایک مطالعے کے مطابق جنوبی کوریا کے مقابلے میں ایران سائنسی ترقی کے حوالے سے سرفہرست ہے۔ فی کس آمدنی کے حوالے بھی مسلم ممالک قطر

اور متحدہ عرب امارات دنیا کے پانچ سرفہرست ممالک میں سے ہیں، جن کی فی کس آمدنی امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا اور فرانس سے بھی کافی زیادہ ہے۔

مہذب دنیا کو جاننے کا ایک پیمانہ خودکشی کا رجحان بھی ہے۔ دنیا کے 17 ممالک جن میں خودکشی کا رجحان سب سے زیادہ ہے، ان کا تعلق مغربی ممالک سے ہے، جب کہ مسلم ممالک میں اس کی شرح تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔

متمدن دنیا کے اس مختصر جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مغرب اپنی تمام تر ترقی کے باوجود سماجی انتشار اور اخلاقی انحطاط کے لحاظ سے خود کہاں کھڑا ہے اور دنیا کو کس 'ترقی' کی راہ پر ڈال رہا ہے! اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل اور ناجائز مفادات کے حصول کے لئے جس طرح سے صرف موجودہ صدی میں عراق اور افغانستان میں لاکھوں انسانوں کا خون کیا گیا اور دنیا کے امن کو پامال کیا گیا، وہ مغرب کی امن دوستی اور انصاف پسندی کا کھلا ثبوت ہے۔

دوسری طرح مسلم ممالک اپنی تمام تر سیاسی، سماجی، معاشی خامیوں کے باوجود معاشرتی اور اخلاقی لحاظ سے یقیناً مغرب سے زیادہ مہذب ہیں۔ تمام تر رکاوٹوں کے باوجود ترقی کی دوڑ میں بھی پیچھے نہیں ہیں اور اس کے لئے تگ و دو جاری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مغرب کی بالادستی کے جادو سے نکلا جائے۔ بلاشبہ مسلمانوں کو اہل مغرب کے مقابلے میں تمدنی لحاظ سے اخلاقی برتری حاصل ہے لیکن مغرب تہذیب اور مادیت کے نتیجے میں معاشرتی انتشار اور اخلاقی بگاڑ میں بھی اضافہ ہو رہا ہے جس کا سدباب کرنے اور اسلام کی آفاقی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام کی تعلیمات کو شعوری طور پر قبول کرنے سے جہاں موجودہ تمدنی برتری کو مزید مستحکم بنیادوں پر قائم رکھا جا سکتا ہے، وہاں اسلام کی مثبت تصویر بھی سامنے آسکے گی۔ اس سے جہاں اسلام مخالف مغربی پروپیگنڈے کی قلعی کھل جائے گی وہاں فی الواقع ایک مہذب دنیا کے قیام کے لئے راہ بھی ہموار ہوگی۔ تاہم اس حوالے سے ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

(ماخوذ: ریڈینس ویوز ویکلی، دہلی، جون 2013ء)

نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے؟

انگریزی زبان کا ایک خوب صورت محاورہ ہے کہ

CALL THE ROSE BY ANY NAME IT WILL SMELL

یعنی پھول کو کسی نام سے پکارو یہ خوشبو دے گا۔ یا ______ قرآن مجید میں آیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کو کسی نام سے پکارو، سارے اچھے نام اُسی (اللہ تعالیٰ) کے ہیں''۔(17-110)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبہ کے لئے بھی کئی اصطلاحات بغرضِ تفہیم وابلاغ استعمال ہوتی ہیں مفہوم اور مدعا سب کا ایک ہی ہے۔ آج سے ایک صدی قبل اسلام کے غلبے کے لئے انگریزوں (عیسائیوں) سے مستعار اصطلاح، آسمانی بادشاہت (DIVINE KINGDOM) کی جگہ 'حکومت الٰہیہ' استعمال ہوئی۔ پھر 1940ء کے بعد 'اسلامی انقلاب' کی اصطلاح زیادہ عام ہوئی۔ قرآن مجید میں 'یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہ' یا 'اظہارِ دین حق' کے الفاظ آئے ہیں۔ کہیں 'غلبہ دین' کے الفاظ استعمال ہوئے۔ آج سے چالیس سال قبل 'پاکستان قومی اتحاد' کی تحریک میں 'نظامِ مصطفیٰ' کے الفاظ عام ہوئے۔ اسی مفہوم میں قرآنِ مجید میں 'خلافت' کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی سے خلافت راشدہ اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی اصطلاحات وضع ہوئی ہیں۔ ان سب اصطلاحات کا حاصل ایک ہی ہے کہ اللہ کا دین دنیا میں غلبہ چاہتا ہے؛ مسلمانوں کو اس کے لئے تن، من، دھن لگا کر یہ ذمہ داری پوری کرنی چاہیئے۔ آج سے پندرہ بیس سال قبل ''ربّ کی دھرتی، ربّ کا نظام'' کی اصطلاح مخلص مسلمانوں کے کانوں میں رس گھولتی رہی۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس مشن کے لئے مصروفِ عمل ہیں۔ بہاولپور سے ہمارے ایک مہربان دوست 'نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم' کے قیام کے لئے تحریک چلا رہے ہیں ان کی پکار کا خلاصہ ہدیۂ قارئین ہے۔

ہماری دلی دُعا ہے کہ ان تمام عنوانات کے تحت کام کرنے والے مخلص لوگ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں تا کہ گوہر مقصود جلد حاصل ہو سکے۔ آمین (مدیر)

تحریک نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بانی وامیر

پروفیسر عون محمد سعیدی مدظلہ

وَمدیر ماہنامہ متاعِ کارواں بہاولپور

کے اہلسنّت کی جملہ تنظیمات، علماء، مشائخ اور قارئین سے

14 مصطفوی سوالات

جن کا جواب سالہا سال سے قرض ہیں

(ماخوذ از ماہنامہ متاعِ کارواں، بہاولپور، مارچ 2014ء)

1۔ آپ کے ہوتے ہوئے ابھی تک اتحادِ اُمت اور اتحادِ اہلسنّت کیوں نہیں ہوسکا اور اس کے لئے آپ نے کیا پیش رفت کی؟

2۔ آپ کے ہوتے ہوئے ملک میں دین دشمن غیر اسلامی حکومتیں کیوں آرہی ہیں۔ آپ نے قومی وبین الاقوامی سطح پر نظامِ خلافت کے لئے کیا منصوبہ بندی کی؟

3۔ آپ کے ہوتے ہوئے پورے ملک میں سودی نظام کیوں چل رہا ہے۔ آپ نے اس کے خاتمہ کے لئے کیا پروگرام بنایا؟

4۔ آپ کے ہوتے ہوئے پورے ملک میں ظلم اور ناانصافی کا دور دورہ کیوں ہے۔ آپ نے تھانہ کچہری کے نظام کی بہتری کے لئے کیا سوچا؟

5۔ آپ کے ہوتے ہوئے لوگوں کی جان، مال اور عزت وآبرو پر ڈاکے کیوں پڑ رہے ہیں۔ آپ نے اس کا کیا سدباب کیا؟

6۔ آپ کے ہوتے ہوئے ملک میں یورپی تہذیب کیوں غالب ہے۔ آپ نے اس کے غلبہ کو توڑنے کے لئے کیا سوچا؟

7۔ آپ کے ہوتے ہوئے تعلیمی نظام خالصتاً یورپی طرز پہ کیوں چل رہا ہے؟ آپ نے پورے ملک کے نظام تعلیم کے لئے کیا لائحہ عمل تیار کیا؟

8۔ آپ کے ہوتے ہوئے ملک کی کل انتظامی مشینری یہود و نصاریٰ کے اشاروں پر کیوں ناچ رہی ہے۔آپ نے اس کے لئے اب تک کیا جدوجہد کی؟

9۔ آپ کے ہوتے ہوئے عالم اسلام یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں کیوں یرغمال ہے اور آپ کب تک عالم اسلام کو ان کے چنگل سے چھڑانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

10۔ آپ کے ہوتے ہوئے ملک میں نظامِ صلوٰۃ، نظامِ زکوٰۃ اور نظامِ حدود نافذ کیوں نہیں۔آپ نے حکومتی سطح پر ان کے نفاذ کے لئے کیا پلاننگ کی ہے؟

11۔ آپ کے ہوتے ہوئے عریانی، فحاشی، غربت، جہالت، رشوت، انٹرنیٹ اور کیبل کی خباثت، خورد برد، ذخیرہ اندوزی، جاگیرداری، سرمایہ کاری او رتجارتی اجارہ داری وغیرہ آئے روز کیوں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔کیا آپ کے پاس ان خرابیوں کا کوئی ملک گیر یا عالمگیر حل موجود ہے؟

12۔ آپ کے ہوتے ہوئے حکومتیں سودی قرضہ کیوں وصول کر رہی ہیں اور آئے روز غیر اسلامی قوانین کیوں پاس ہو رہے ہیں؟

13۔ آپ کے ہوتے ہوئے غریب غریب تر اور امیر امیر تر کیوں ہوتے چلے جا رہے ہیں؟

14۔ آپ کے ہوتے ہوئے اس ملک کی بقا بھی ایک سوالیہ نشان بن چکی ہے۔آخر کیوں؟

نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے؟

● **معاشرے کے ہر ہر فرد کو میسر آئے:** (بلا تفریق دین، مذہب، مسلک، رنگ، نسل، زبان، صوبہ، پارٹی): جان کی حفاظت۔ مال کی حفاظت۔ مذہب کی حفاظت۔ مسلک کی حفاظت۔

● **سب کو میسر آئے:** روٹی، کپڑا، مکان، سواری۔ ● **مفت ملے ہر کسی کو:** علم، عدل، علاج۔

● **خاتمہ ہو:** بدامنی، دہشت گردی، چوری ڈاکہ، سودی قرضے، ارتکاز دولت، غربت، جہالت، رشوت، جرائم، سود کا۔ ● **چھٹکارا ملے:** فضول خرچی، عیاشی، بے روزگاری، جھوٹے مقدمات، ذخیرہ اندوزی، بے جا غیر ملکی دورے، کام چوری، چور بازاری سے۔ ● **نجات حاصل ہو:** کرپشن، سرمایہ دواری، جاگیرداری، گداگری، جہیز کی لعنت، معاشرتی افراط وتفریط، لاقانونیت سے۔

● **منصفانہ معیار ہو:** ملازمین کی تنخواہوں کا، مزدوروں کی اجرت کا، مزارعین کے لئے شرح بٹائی کا، ٹیکس کا، سوئی گیس کا، بجلی وغیرہ کے بلوں کا۔ ● **فروغ ملے:** اتحاد کو، شرافت کو، حسن اخلاق کو، ایثار کو، دیانت داری کو، رواداری کو، برداشت کو، سادگی کو، میرٹ کو، کوالٹی کو۔

● **قائم ہو:** نظام خلافت، نظام صلوٰۃ، نظام زکوٰۃ، نظام حدود، نظام حدود، نظام وراثت، نظام امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو۔ ● **معاشرہ میں بالادستی ہو طاغوتی طاقتوں کی بجائے:** اللہ رب العالمین کی، رحمۃ للعالمین کی، کتاب اللہ کی، اسوہ حسنہ کی، شریعت مطہرہ کی، جہاد فی سبیل اللہ کی۔

● **احترام ملے:** انبیاء کرام کو، صحابہ کرام کو، اہل بیت اطہار کو۔ ● **رواداری کا معاملہ ہو:** ہر دین، مذہب اور مسلک کے بزرگوں سے، ہر دین، مذہب اور مسلک کے پیروکاروں سے۔

اللہ تعالیٰ ایسا جلدی برپا فرمادے۔ آمین

حقیقتِ عمل صالح

مقرر:انجینئر مختار فاروقی

جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے ماہانہ درسِ قرآن کے سلسلے میں 12 جنوری 2014ء کو کیڈٹ کالج جھنگ میں ''حقیقتِ عمل صالح'' کے موضوع پر خطاب فرمایا تھا، جسے ریکارڈ کرلیا گیا تھا اور اب تحریر میں لاکر قارئین حکمت بالغہ کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔

(مرتب: انجینئر عبداللہ اسماعیل)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ اَمَّابَعْد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قال تبارك وتعالى : وَالْعَصْرِ O اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ O اِلَّاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ O (103:1-3)

وقال تبارك وتعالى : اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِكَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ O (49:15)

صدق اللہ العظیم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَ احْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ

اللھم صل علیٰ محمدٍ وعلیٰ ال محمدٍ کما صلیت علی ابراھیم انك حمید مجید

عزیز طلباء، معزز حاضرین اور اساتذہ کرام! ہماری آج کی گفتگو کا عنوان ہے ’’حقیقتِ عملِ صالح‘‘۔ اس سلسلۂ درس میں ہم پہلے سورۃ العصر پڑھ چکے ہیں، جس میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وَالۡعَصۡرِ O اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ O اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ O

زمانہ گواہ ہے کہ بے شک تمام انسان خسارے میں ہیں، نقصان میں ہیں۔ سوائے ان خوش نصیبوں کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے اور حق کا پرچار کرتے رہے اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

اس سورۃ العصر کے مطابق جو آدمی چار شرائط پوری کردے گا وہ کامیابی حاصل کرلے گا اور اس کامیابی سے مراد ہے دنیا میں بھی بہت سارے نقصانات سے بچنا اور آخرت میں ایک دائمی زندگی کا حصول۔ اور جو آدمی ایسا نہیں کر سکے گا وہ نقصان میں رہے گا، اس کے پاس اس وقت جو کچھ ہے وہ سب چھن جانے والا ہے زندگی، صحت، وسائل، طاقت، سماعت، بصارت یہ سب کچھ چھن جائے گا اور جو آدمی چاہتا ہو کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس میں بڑھوتری ہو اور ہمیشہ ہمیش اس کے پاس رہے اُسے یہ چار کام کرنے چاہئیں۔ ہر آدمی کے اندر ایک دبی ہوئی خواہش ہے کہ مجھے موت نہ آئے، سارے سائنس دان اسی میں لگے ہوئے ہیں، بڑھاپا ختم کر دیا جائے یا DELAY کر دیا جائے، آدمی کمزور نہ ہو، موت نہ آئے، لیکن یہ ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس اُصول پر بنائی ہے کہ اس دنیا میں جو آیا ہے اسے جانا ہے۔ عام طور پر وہ لوگ جو دین سے دور ہیں جو اللہ کو نہیں مانتے، جو پیغمبروں کو نہیں مانتے، ان کے نزدیک یہ موت تو بس زندگی کے خاتمے کا نام ہے۔ لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ موت سرے سے آئے ہی نہ، اور بس یہیں جو عیش کر سکتے ہو کرلو۔ لوٹ گھسوٹ، دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ اور بہت سارے غلط کام جو دنیا میں ہو رہے ہیں وہ اسی لئے کرتے ہیں کہ یہیں عیش کرلو، موت آگئی تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ جبکہ قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ موت ختم ہونے کا نام نہیں ہے۔ موت تو ایک طرح سے زندگی کے سفر میں ایک تبدیلی ہے۔ جیسے پہلے بچہ پرائمری سکول میں ہوتا ہے پھر ہائی سکول اور کالج میں چلا جاتا ہے تو وہاں سارا ماحول ہی بدل جاتا ہے۔ اسی طرح ہم یہاں ایک زندگی گزار رہے ہیں پھر موت ایک دروازہ ہے اس

سے گزر کر ایک اور زندگی میں چلے جائیں گے اور انسان کی یہی صلاحیتیں ہوں گی یہی سوچ ہو گی یہی دماغ ہو گا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کو اور اچھی زندگی دے دے گا اور جو یہاں اللہ کا کہنا نہیں مانیں گے ان سے یہ ساری چیزیں چھین لی جائیں گی اور عذاب ہو گا۔

پہلی شرط 'ایمان' ہے۔ ایمان ہونا چاہیے یعنی انسان کے نظریات اور سوچ صحیح ہونی چاہیے۔ جس شخص کی سوچ صحیح ہو گی اس کو سب کچھ مل سکتا ہے ایک دائمی زندگی بھی مل سکتی ہے اور جس شخص کی سوچ صحیح نہیں ہو گی اس کو کامیابی نہیں مل سکتی۔ اس لئے کہ سوچ کے مطابق آدمی کام کرتا ہے، سوچ صحیح ہو تو آدمی کا طرزِ عمل صحیح ہو گا۔ مثال کے طور پر ایک ایسا بچہ سکول میں داخل ہوتا ہے جس کی سوچ یہ ہے کہ میرے والدین مجھ پر بہت محنت کر رہے ہیں پیسہ خرچ کر رہے ہیں ان کو مجھ سے بڑی توقعات ہیں مجھے صرف اپنی پڑھائی سے تعلق رکھنا ہے اور وقت ضائع نہیں کرنا اور پڑھنا ہے تو وہ بچہ پڑھائی میں لگا رہے گا اور اپنی پڑھائی پر توجہ دے گا اور ناگزیر کام کرتا ہوا معینہ وقت میں کامیاب ہو کر زندگی کے اگلے مرحلے میں چلا جائے گا اور جس بچہ کی سوچ یہ ہو کہ کھاؤ پیو عیش کرو، میرے ابو کے پاس تو بہت پیسے ہیں وہ ختم ہی نہیں ہوتے میں پاس نہ بھی ہوا تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تو صاف ظاہر ہے کہ ایسا بچہ پڑھ نہیں سکتا وہ آگے نہیں بڑھ سکتا وہ وہیں کا وہیں رہ جائے گا ناکام ہو جائے گا۔ تو آدمی کے دماغ میں جو نظریات ہوتے ہیں وہ بہت فیصلہ کن ہیں۔

اسی طرح یہ کائنات ہے اس کے بارے میں بھی ہر آدمی کا کچھ نہ کچھ نظریہ ہے کہ دنیا کیسے بن گئی؟ کس نے بنائی؟ کیوں بنائی؟ کب بنائی؟ اس میں انسان کا رول کیا ہے؟۔ اس کے بارے میں ایک وہ نظریہ ہے جو اللہ نے ہمیں بتایا ہے۔ اللہ نے پیغمبر بھیجے جن کو اللہ نے بتایا پھر انہوں نے ہمیں بتایا۔ ہم الحمدللہ مسلمان ہیں اور ہم سارے پیغمبروں کے ماننے والے ہیں سارے پیغمبروں کو اس لئے ماننے والے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے ماننے والے ہیں سارے پیغمبر ان سے پہلے گزرے ہیں اور ہم سب پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں محمد ﷺ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر آئے تھے وہ سب برحق تھے اور محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں وہ ان سب کی تعلیمات کا خلاصہ، نچوڑ اور ان کا لبِ لباب لے کر آئے ہیں۔ ہم پچھلے سارے نبیوں کی تصدیق کرتے ہیں وہ اپنے اپنے زمانے میں صحیح پیغمبر تھے ان کی تعلیمات صحیح تھیں وہ اللہ کی طرف سے آئے تھے ہم محمد ﷺ

کے ماننے والے ہیں لہٰذا ہم اِن کی باتوں پر عمل کر رہے ہیں۔ اللہ نے پیغمبروں کے ذریعے ہمیں بتایا ہے کہ یہ کائنات کیسے بنی۔ اس کائنات کے بارے میں ایک مسلمان کا نظریہ...... کہ یہ کیسے بنی ہے؟ کب بنی ہے؟ کیوں بنی ہے؟ سب سے صحیح نظریہ ہے کیونکہ اللہ نے بتایا ہے۔ جس نے دنیا بنائی ہے اسی نے بتایا ہے کہ میں نے کس لئے پیدا کی ہے۔ جبکہ دوسرے انسان جو پیغمبروں کو نہیں مانتے، وحی کو نہیں مانتے، اللہ کو نہیں مانتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا خود بخود بن گئی ہے اور جیسے گدھے دنیا میں موجود ہیں، جانور موجود ہیں، کتے موجود ہیں، شیر موجود ہیں، گھوڑے موجود ہیں اسی طرح ہم بھی زندہ ہیں بس ذرا تھوڑا سا دماغ ہمیں مل گیا ہے ہم جانوروں سے ذرا اچھے کام کر لیتے ہیں لہٰذا کھاؤ پیو عیش کرو بس۔ اب صاف ظاہر ہے دنیا میں جس کا یہ نظریہ ہوگا وہ زندگی اور طرح گزارے گا اور جس کا یہ نظریہ ہوگا کہ ایک خالق و مالک اللہ ہے جس نے یہ کائنات بنائی ہے اور اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اشرف المخلوقات بنایا ہے پھر انسان کو ایک ذمہ دار بنایا ہے یہ اللہ کی RESPONSIBLE مخلوق ہے۔ اللہ نے ہمیں سمجھ دی ہے کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا اور کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ جو آدمی اللہ کو مانتا ہے وہ صحیح کام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جو نہیں مانتا وہ من مانی کرتا ہے۔ ہم نے پہلے پڑھا تھا کہ جو اللہ کو ماننے والا ہے وہ سوچتا ہے کہ یہ کام جو میں کرنے جا رہا ہوں کیا اللہ اس کی اجازت دیتا ہے کہ نہیں دیتا؟ یہ کام، مجھے کرنا چاہئے کہ نہیں کرنا چاہئے اور اگر کوئی ایسا کام ہو جائے جو بعد میں پتا چلے کہ کل جو میں نے جھوٹ بول دیا تھا اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوا ہے مجھے آج پتا چلا ہے کہ مجھے تو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا تب بھی احساس ہو جائے تو آدمی توبہ کرتا ہے۔ لیکن جس کے نظریات دوسرے ہوں وہ اللہ کو نہ مانتا ہو تو اس کی زندگی اور طرح کی ہوتی ہے کہ جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پیو، جو چاہو کرو، جو چاہو دیکھو، جو چاہو سنو اس کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ لیکن اللہ کا ماننے والا بندہ تو کانوں پر بھی پہرے بٹھاتا ہے کہ جس بات کے سننے کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اجازت دی ہے وہ میں نے سننی ہے اور جو ایسی نہیں ہے وہ میں نے نہیں سننی۔ اور آنکھوں پر بھی پہرے بٹھاتا ہے کہ یہ چیز میں نے دیکھنی ہے اور یہ نہیں دیکھنی، یہ کھانا ہے یہ نہیں کھانا ہے، یہ پہننا ہے یہ نہیں پہننا، یہ کرنا ہے یہ نہیں کرنا۔

سورۃ العصر میں یہ بات آئی تھی کہ کامیاب انسان وہ ہے جو ایمان لاتا ہے جس کا تصور

زندگی صحیح ہے تصور کائنات صحیح ہے کہ ایک اللہ ہے جس نے کائنات بنائی ہے اور صرف یہی زندگی نہیں ہے بلکہ زندگی کا تسلسل ہے موت تو بس ایک دروازہ ہے جس میں سے گزر کر دوسری زندگی میں ہم چلے جاتے ہیں اور اس کے بعد اصل زندگی وہ ہے جس کا آج ہم تصور نہیں کر سکتے۔ اُس زندگی میں جو یہاں اچھے کام کریں گے ان کو اعلیٰ درجے کی چیزیں ملیں گی جو اصل زندگی ہے وہاں موت نہیں آئے گی ہمیں ہمیشہ ہمیش کی زندگی مل جائے گی۔ اور جو یہاں غلط کام کریں گے ان کو وہاں سزا ہوگی ان سے سب کچھ چھین لیا جائے گا زندگی بھی، صحت بھی، طاقت، جوانی، دماغ ہر چیز ساری صلاحیتیں ختم ہو جائیں گی۔ تو ایمان سب سے پہلی چیز ہے۔

سورۃ العصر میں ایمان کے بعد بات آئی تھی وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ اور وہ کامیاب ہیں جنہوں نے اچھے عمل کیے۔ یہی آج کی گفتگو کا ہمارا عنوان ہے ''حقیقت عمل صالح'' وہ اچھے عمل کیا ہوتے ہیں؟ سورۃ العصر میں اس کے بعد جن دو شرطوں کا ذکر ہے وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اس کو یوں سمجھئے کہ اسی عمل صالح کی تشریح ہے۔ ایک ایمان اور دوسرے عمل صالح اور پھر اسی عمل صالح کا حصہ ہے وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ وہ اچھے کام کرتے ہیں یعنی وہ تواصی بالحق کرتے ہیں اور تواصی بالصبر کرتے ہیں۔ خود بھی اچھے کام کرتے ہیں دوسروں کو بھی اچھی باتوں کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ تو انسانی فطرت ہے کہ اگر ایک نوجوان کو نماز پڑھنے کی توفیق مل جاتی ہے تو وہ اپنے اُس دوست کو بھی توجہ دلاتا ہے جو نہیں پڑھتا ہے کہ بھائی نماز پڑھنی چاہئے۔ گفتگو ہوتی ہے DEBATE ہوتی ہے بحث ہوتی ہے پھر دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ مجھے یہ بات سمجھ میں آئی ہے تمہیں بھی ایسا کرنا چاہئے تمہارا فائدہ بھی اسی بات میں ہے۔ تو تواصی بالحق یہی ہے کہ دوسروں کو بھی آدمی بتائے جس سے بھی دوستی ہے جس کے ساتھ اچھا تعلق ہے جس کا آدمی فائدہ چاہتا ہے اس کو بھی بتانا چاہئے۔ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اور وہ لوگ صبر کرنے والے ہیں۔ صبر سے کیا مراد ہے؟ جس آدمی کو ہم کہیں گے کہ بھائی نماز پڑھنی چاہئے، اللہ کو ماننا چاہئے، قرآن کی ہر روز تلاوت کرنی چاہئے، ضروری نہیں ہے کہ ہر آدمی اس کو WELCOME کرے کہ آپ نے بہت اچھا کیا، میں تو بھولا ہوا تھا، بڑی مہربانی کہ آپ نے مجھے بتا دیا۔ کچھ تو دوست کہیں گے کہ ہاں بھائی ٹھیک ہے بڑی مہربانی مجھ سے غلطی ہو رہی

تھی والدین نے بھی مجھے کہہ رکھا ہے کہ اللہ کا کہنا ماننا چاہئے، نماز پڑھنی چاہئے مجھ سے سستی ہو رہی تھی آپ نے یاد دلا دیا بہت مہربانی۔ لیکن سب ایسے نہیں کہتے کچھ آگے سے بحث کرتے ہیں بلکہ تشدد پر اُتر آتے ہیں۔ ابھی تو آپ نوجوان ہیں معاشرے میں تو لوگ حق بات بتانے والوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ بہرحال لوگ مخالفت بھی کرتے ہیں اس مخالفت پر بھی صبر کرنا ہے کہ میں تو صحیح اور حق بات بتا کر ہی رہوں گا، تم مانو چاہے نہ مانو، صبر یہ ہے کہ اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی بات بیان کرتے رہنا ہے چاہے اس پر لوگ مخالفت کریں۔ صبر کرنا لوگوں کے غلط رویے کو برداشت کرتے رہنے کا نام ہے۔

عمل صالح کیا ہے؟ ایمان کے نتیجے میں ایسی زندگی گزارنا جس سے ایمان کے تقاضے پورے ہو رہے ہوں وہ عمل صالح ہے۔ ہر ایسا کام جو ایمان کے تقاضوں کے مطابق کیا جا رہا ہے وہ عمل صالح ہے۔ صالح کا لفظ 'صلاحیت' سے بنا ہے۔ صلاحیت کا لفظ ہم عام بولتے ہیں اس میں بڑی صلاحیت ہے یہ اچھی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ کسی کو بولنے کی صلاحیت اللہ نے دی ہے، کسی کی دماغی صلاحیتیں اچھی ہیں، کسی کی جسمانی صلاحیتیں اچھی ہیں۔ تو یہ صلاحیت سے ہی صالح بنا ہے یعنی انسان کے اندر جو POTENTIAL اللہ نے رکھ دیا ہے۔ کسی کو بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے اندر کیا صلاحیتیں ہیں۔ جو نظر آ گئیں وہ تو ٹھیک ہیں جو اب تک نظر نہیں آئیں کہ پانچویں کا امتحان دیا تھا تو اچھے نمبر لے لئے تھے، چھٹی کا دیا تو اچھے نمبر لے لئے تھے، دسویں کا دیا تو اچھے نمبر لے لئے تھے اب آگے میرا کیا بنے گا کتنی صلاحیتیں میرے اندر ہیں میں کتنی تعلیم حاصل کر سکوں گا، کتنے بڑے عہدے تک پہنچ سکوں گا کتنا میں قوم کی خدمت کر سکوں گا یہ کوئی نہیں جانتا، کل کیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا لیکن اگر جذبہ صحیح ہو اور آدمی صحیح رخ پر لگا رہے تو امکان ہے کہ اگر اس کے اندر صلاحیتیں ہیں تو وہ پروان چڑھ جائیں گی اور اگر آدمی غلط رخ پر پڑ جائے گا تو وہ صلاحیتیں غلط مقصد کے لئے استعمال ہونی شروع ہو جائیں گی۔

تو عمل صالح سے مراد یہ ہے کہ ایمان کے نتیجے میں ایسے کام جو ایمان کا تقاضا بنتے ہیں۔ ایمان ہے تو یہ کام ہونا چاہئے۔ لہٰذا ایسی زندگی گزارنا جس سے کہ ایمان کے تقاضے پورے ہو رہے ہوں یہ عمل صالح ہے۔

قرآن مجید میں کئی جگہ اس کی تشریح کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ عمل صالح کسے کہتے ہیں۔قرآن مجید میں اکثر جگہوں پر جہاں ایمان کا لفظ آتا ہے اس کے ساتھ ہی عمل صالح کا بھی ذکر ہے کہ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے۔اس سے مراد آپ سے آپ یہ ہو جائے گی کہ ایمان کے مطابق زندگی گزاری، ایمان کے شایانِ شان زندگی گزاری، جو ایمان کا تقاضا ہے اس کے مطابق زندگی گزاری۔ایسی بھی جگہیں قرآن مجید میں ہیں جہاں صرف ایمان کا ذکر ہوتا ہے، کامیاب وہ ہیں جو ایمان لائے اب اس میں آپ سے آپ مراد ہے کہ ایمان ہوتا ہی وہ ہے جس کے تقاضے پورے کئے جائیں تو وہاں IMPLIED ہوگا کہ یہاں بھی عمل صالح مراد ہے۔

سورۂ والعصر جس کا ترجمہ میں آپ کے سامنے کر رہا تھا اس میں عمل صالح کی مزید تشریح آ گئی، اللہ نے مزید کھول کر بتا دیا کہ عمل صالح کیا ہے۔جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام ہیں وہ تو ہم نے پورے کرنے ہی ہیں جو EXPLICITLY اور وضاحت کے ساتھ بتا دیے ہیں کہ یہ کام کرو نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور اللہ کے احکام ہیں یہ کام تو کرنے ہی ہیں۔اس کے علاوہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یہ کام بھی اس کے ساتھ کرنے ہیں۔تب عمل صالح کے تقاضے پورے ہوں گے اور ایمان کامل ہوگا۔ایمان تو دل میں ہوتا ہے۔ایمان تو یقین (CONVICTION) کا نام ہے۔آپ میں کتنا ایمان ہے، اُس میں کتنا ایمان ہے، میرے اندر کتنا یقین ہے یہ ناپا نہیں جا سکتا، ابھی تک دنیا میں کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جس سے کسی انسان کے دل میں ڈال کر دیکھا جا سکے کہ یہ سچ کہہ رہا ہے کہ جھوٹ بول رہا ہے یا اس کے اندر ایمان کتنا ہے کوئی نہیں جانتا۔یہ تو اللہ جانتا ہے یا بندہ خود کسی درجے میں جانتا ہے۔یہ راز قیامت کے دن کھلے گا اور اس دن صاف ظاہر ہے اگر پہلے سے تیاری نہ کی ہو اسی دن پر چھوڑ دیا جائے کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا قیامت کے دن پتا چل جائے گا تو اس دن اگر بالکل ہی فیل ہو گئے تو کیا ہوگا او ہو مجھے پہلے پتا چل جاتا تو میں کچھ تیاری کر لیتا، مجھے پہلے تیاری کرنی چاہیے تھی۔تو اللہ نے اس کے کچھ LAND MARKS بتائے ہیں کہ جو ایمان والا ہوتا ہے اس کی یہ شان ہوتی ہے، جو ایمان والا ہوتا ہے وہ سچ بولتا ہے، وہ خدمت خلق کرتا ہے، وہ لوگوں کے کام آتا ہے، وہ خیانت نہیں کرتا، وہ بددیانتی نہیں کرتا، وہ لوگوں کا حق نہیں مارتا۔تو ہمیں اللہ نے کچھ ٹیسٹ

بتا دیے ہیں کہ اگر تمہارے اندر ایمان ہے اور ایمان کی اہمیت ہے تو اپنے آپ چیک کرتے رہا کرو۔ مثلاً حضور ﷺ نے فرمایا: ''کہ ایمان والے آدمی اور جو ایمان نہیں رکھتا اس کے درمیان فرق نماز ہے''۔ اب خود بخود ایک ٹیسٹ آ گیا کہ دو آدمیوں میں ہر ایک دعویٰ کرتا ہے کہ میرے اندر ایمان ہے۔ لیکن جب اذان ہوتی ہے مسجد سے مؤذّن بلاتا ہے کہ ایمان والے اِدھر آ جائیں نماز کا ٹائم ہو رہا ہے تو ان دو میں سے ایک نماز کے لیے چلا جاتا ہے دوسرا جاگ بھی جاتا ہے پھر بھی لیٹا رہتا ہے اور پھر بھی وہ ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو سوچنا پڑے گا کہ ایک نے ایمان کا تقاضا پورا کر لیا سردی میں یا جیسا بھی سخت موسم تھا اُٹھا اور نماز کے لیے مسجد چلا گیا اور دوسرا بھی یہی دعویٰ کرتا ہے لیکن وہ اٹھ کر نہیں گیا تو دونوں میں کوئی فرق تو ہوگا۔ صاف ظاہر ہے ایک آدمی دل سے کہہ رہا ہے اور دوسرا آدمی اوپر اوپر سے کہہ رہا ہے، ایک آدمی ایمان کا تقاضا پورا کر رہا ہے دوسرا آدمی ایمان کا تقاضا پورا نہیں کر رہا۔ تو عمل صالح ہر اس عمل کو کہتے ہیں جو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے انسان کرتا ہے۔

عمل صالح کس نے بتائے ہیں؟ یہ کوئی خود مشورہ کر کے نہیں طے کیے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو باتیں اتاری ہیں اور محمد ﷺ نے ان کی وضاحت فرما دی ہے۔ قرآن مجید میں حکم ہے اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃ نماز قائم کرو۔ اب نماز کب پڑھنی ہے اور کیسے پڑھنی ہے؟ قرآن مجید میں صرف اشارے ہیں کہ صبح کے وقت نماز ہوتی ہے، جب سورج ڈھل جاتا ہے، 'دلوک الشّمس' کے وقت، غروب کے وقت اور رات کے وقت نمازیں ہیں لیکن نماز کیسے ہوتی ہے اس کی وضاحت قرآن مجید میں نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کی ہے جو قرآن لائے ہیں۔ اللہ نے ان کو بتایا اور سمجھایا انہوں نے وضاحت کی کہ نماز ایسے پڑھی جاتی ہے اب ہم عملاً جو نماز پڑھتے ہیں پاک صاف کپڑے پہنتے ہیں، طہارت کرتے ہیں، وضو کرتے ہیں اور مسجد میں یا کسی اور جگہ پر خاص طریقے سے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں، یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے۔ تو جو پیغمبر حضرت محمد ﷺ قرآن لائے ہیں انہوں نے جو قرآن کی وضاحت کی ہے اور عملاً بتایا ہے وہ بھی عمل صالح کا حصہ ہے۔

قرآن مجید لانے والے حضرت محمد ﷺ کی جو تشریحات ہیں یعنی احادیث مبارکہ ان کو

درمیان سے نکال دیں تو قرآن مجید سے نماز کا طریقہ نہیں نکالا جا سکتا۔قرآن اور حدیث، قرآن اور سنت، اللہ کی باتیں اور رسول ﷺ نے جو وضاحت کی ہے دونوں کو ملا کر عمل صالح بنتا ہے۔بس یوں سمجھئے کہ سیرت النبی، رسول ﷺ کا طرزِ زندگی سارے کے سارے درمیان میں آ گئے ہیں۔

عمل صالح کیا ہے؟ اگر ایک جملے اس کا جواب دیں تو یہ ہے کہ جیسے زندگی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے زندگی گزاری ہے اس کو عمل صالح کہتے ہیں۔اب سیرت النبی ﷺ پڑھنی پڑے گی کہ رسول اللہ ﷺ نے زندگی کیسے گزاری۔چالیس سال سے پہلے کی زندگی کی نہ ہمارے پاس تفاصیل ہیں اور نہ ہی اس کو ریکارڈ کیا گیا ہے اور نہ ہی خود رسول اللہ ﷺ نے اس کا کوئی حوالہ دیا ہے لیکن چالیس سال کے بعد جب سے رسول اللہ ﷺ پر وحی آئی ہے اس کے بعد کی جو باتیں اور احکام ہیں وہ پورے کے پورے قرآن میں، حدیث میں اور سیرت النبی ﷺ میں ریکارڈ ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سامنے موجود تھے انہوں نے بتایا ہے کیا کرنا ہے۔تو رسول اللہ ﷺ کی آغازِ وحی کے بعد سے وفات تک کی زندگی ہمارے لئے عمل صالح کا ایک نمونہ ہے اور اگر ایمان کے تقاضے پورے کرنے کا جذبہ پیدا ہوا ہے تو جیسے زندگی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے گزاری ہے اسی طرح آپ کو بھی زندگی گزارنی ہے۔

قرآن مجید میں یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ (21:33) لوگو! تمہارے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک نمونہ (ROLE MODEL) ہے۔آج دنیا کی زندگی میں بھی لوگوں کی FAVOURITE اور IDEAL شخصیات ہوتی ہیں۔ ہر آدمی ہر نوجوان ایک IDEAL رکھتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر ہیں، علامہ اقبال ہیں، قائداعظم ہے، کسی کا کوئی اور IDEAL ہوسکتا ہے جس کے بارے میں انسان سوچتا ہے کہ میں نے اس جیسا انسان بننا ہے۔کوئی کسی شاعر کو پسند کرتا ہے، کوئی کسی فوجی کو پسند کرتا ہے، کوئی کسی وزیراعظم کو پسند کرتا ہے، کوئی کسی غیر ملکی شخصیت کو پسند کرتا ہے۔ایک مسلمان کے لئے نمونہ کیا ہے؟ محمد رسول اللہ ﷺ۔انہوں نے جیسی زندگی گزاری ہے اس طرح کی زندگی گزارنے کی ایک مسلمان سے توقع کی جارہی ہے۔وہ سارے کام جو رسول اللہ ﷺ نے کئے ہیں عمل صالح کی حقیقی تشریح ہیں۔ ایک جملے میں اگر بیان کرنا ہو کہ عملِ صالح کی حقیقت کیا ہے اور عملِ صالح کسے کہتے ہیں تو وہ یہ ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے جیسے زندگی گزاری وہ عمل صالح ہے۔اب رسول اللہ ﷺ کی زندگی کیسے گزری اس کا ہمیں مطالعہ کرنا چاہئے، کتابیں موجود ہیں چھوٹی بھی، بڑی بھی، نوجوانوں کے لئے بھی، بڑوں کے لئے بھی، ریسرچ پیپرز بھی ہیں، کئی کئی جلدوں میں بھی کتابیں موجود ہیں۔ ہمارے اندر جیسے قرآن پڑھنے کا جذبہ ہونا چاہیے اسی طریقے پر رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے مطالعے کا بھی شوق ہونا چاہیے۔ ہمارے دل میں جو FAVORITE شخصیات ہیں ان میں TOP پر رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کا نام درج کر لینا چاہیے۔ان کا یہ حق بھی بنتا ہے کہ ہم کو وہ سب انسانوں سے زیادہ محبوب ہوں ہم سب سے زیادہ ان کو چاہیں۔اگر ہم اس فہرست میں TOP پر ان کا نام لکھ لیں گے تو پھر یقیناً یہ جذبہ پیدا ہوگا کہ ان کے حالات بھی پڑھنے چاہئیں۔اخبارات میں کہیں نظر آ جائے یا کہیں پڑھا جائے یا لیکچر میں کوئی بات سننے میں آ جائے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا ہے، تو اس کو دماغ میں نوٹ کو لینا چاہئے کہ یہ بھی مجھے کرنا ہوگا انہوں نے فرمایا ہے تو یہ کام ضرور کرنا ہوگا۔تو اصولی طور پر جو زندگی رسول اللہ ﷺ نے گزاری وہ ہمارے لئے نمونہ ہے اور بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ وہی حقیقی عمل صالح ہے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی 23 سالہ زندگی کو اس تھوڑے وقت میں آپ کے سامنے بیان تو نہیں کر سکتا لیکن اصولی طور پر کچھ باتیں یہ ہیں۔

عمل صالح کے سلسلے میں کچھ کام تو وہ ہیں جو ہم نے انفرادی زندگی میں کرنے ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جو ہر شخص پر لاگو ہیں جو ہمارے دین میں فرائض کہلاتے ہیں، وہ کام ہمیں کرنے ہیں۔اور وہ اسی بات کو یاد دلانے کے لئے ہیں۔ جیسے سبق بار بار دہراتے ہیں تو یاد ہوتا ہے جتنی مرتبہ زیادہ دہرایا جائے اتنا زیادہ یاد ہوتا ہے امتحان کے قریب سب بچے کچھ یاد کرنے کے لیے بار بار دہرا رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہم دین کے بارے میں جو معلومات حاصل کر رہے ہیں یا اللہ کو مانتے ہیں اور آخرت کو مانتے ہیں اور یہ قیامت کے دن کام آنا ہے تو کہیں بھول نہ جائے۔ اللہ نے پانچ مرتبہ دن میں نماز فرض کر دی ہے، یہ REPETITION ہے۔ آپ وضو کر کے پاک صاف ہو کر مسجد میں گئے ہیں اور وہاں قرآن پڑھا جا رہا ہے آپ سن رہے ہیں وہ یاد دہانی ہو رہی ہے۔ جو مسجد میں نہیں آیا اس کے دماغ میں پتہ نہیں کیا ہے جو آ گیا ہے وہ مسلمان سمجھا جاتا ہے کہ یہ اللہ کو مانتا ہے یہ اللہ کے احکام بار بار سنے گا یاد دہانی رہے گی۔اس سے

زندگی کا مشن سمجھ میں آتا ہے اس کی REPETITION ہوتی رہتی ہے کہ میں مسلمان ہوں اور آخرت کی کامیابی اور ایک دائمی زندگی کا میں خواہش مند ہوں اور یہ نماز، روزہ، قرآن پڑھنے پڑھانے، سچ بولنے میں جو تھوڑی سی تکلیف ہے یہ میں برداشت کروں گا لیکن میں دائمی زندگی کو ختم نہیں کرسکتا یہ گویا کہ یاددہانی ہے۔ جو پانچ وقت نماز پڑھتا ہے وہ اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ میں اللہ کو مانتا ہوں اور میں بار بار اس کو یاد کررہا ہوں تاکہ مجھے وہ سبق بھولے نہیں۔ اسی طرح زکوۃ اللہ کا حکم ہے۔ یہاں اکثر نوجوان ہیں جو ابھی عملی زندگی میں نہیں آئے۔ بڑا ہوکر آدمی عملی زندگی میں آتا ہے تو کماتا ہے کھاتا ہے گھر بناتا ہے FAMILY LIEF ہے اس سب میں آدمی اپنے ASSETS بناتا ہے زمین خرید لی، مکان بنالیا، دکان، کاروبار لیں دین۔ یہ عملی زندگی کی چیزیں ہیں۔ کمانا کیسے ہے اس میں وہ جو کما کر لائے ہیں اس کے بارے میں اللہ کے احکام کیا ہیں؟ یہ زکوۃ کے احکام ہیں۔ پھر ہمارے دین میں حج فرض ہے۔ حج کیسے کرنا ہے کس پر فرض ہوتا ہے۔ پھر سال میں ایک مہینے کے روزے رکھنا ہے یہ بھی اللہ کا حکم ہے۔ تو یہ سارے فرائض جو اللہ نے مقرر کردیے ہیں یہ ایمان کو FEED کررہے ہیں اسی کو سیراب کررہے ہیں۔ نماز پڑھنے سے یاددہانی رہتی ہے۔ حج کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ جو لوگ حج کو جاتے ہیں (آپ نوجوانوں کو بھی اللہ حج نصیب فرمائے) تو وہاں ساری دنیا کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ انڈونیشیا، ملائشیا، فلپائن، اُس سے پرے مشرق کی طرف فجی آئی لینڈ ہیں وہاں سے لے کر اور مغرب میں امریکہ تک ساری دنیا سے مسلمان وہاں آئے ہوئے ہوتے ہیں ایک دوسرے سے ملاقات ہورہی ہوتی ہے، وہاں ہم ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھ رہے ہوتے لیکن آنکھوں میں جذبات ہوتے ہیں کہ یہ پاکستان سے آیا ہے، یہ ترکی سے آیا ہے، یہ ایران سے آیا ہے، یہ مراکش سے آیا ہے، یہ لیبیا سے آیا ہے، انڈیا سے ہے، یہ بنگلہ دیش سے ہے۔ تو یہ ایک بہت بڑا مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے کہ مسلمان ساری دنیا میں موجود ہیں ہر رنگ، ہر نسل، ہر برادری، ہر قوم، ہر علاقہ کے لوگ مسلمان ہیں۔ اس لئے کہ اسلام تو ایک نظریہ ہے اسلام کسی خاص RACE اور کسی خاص برادری یا نسل کے لئے نہیں ہے کہ جو پنجابی ہے وہ مسلمان ہوسکتا ہے یا جو بلوچ فیملی سے ہے وہ مسلمان ہوسکتا ہے۔ نہیں۔ اسلام تو کلمے کی ایک سطر ہے "لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کہ جو انسان اس کو تسلیم کر

لے وہ مسلمان ہے ہمارا بھائی ہے۔ وہ امریکہ کا رہنے والا ہو، جاپان کا رہنے والا ہو، فرانس کا، جرمنی کا کسی ملک کا رہنے والا ہو، کوئی زبان بولتا ہو، کوئی برادری ہو ہمارا بھائی ہے۔ تو یہ حج اس بات کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اسی طرح روزے ہیں تو اس سے بھی ہمارا ایمان اور اس کا جو نتیجہ عمل صالح ہے اس کی یاددہانی ہوتی ہے۔ عام طور پر آج دنیا میں فاقے نہیں ہیں، ہمارے درمیانے درجے کے گھر ہیں ان میں ایسا نہیں ہوتا کہ کسی دن گھر میں کھانا نہ پکے کہ آج آٹے کے پیسے بھی نہیں تھے اور سبزی اور گوشت کے پیسے نہیں تھے تو اس لیے آج گھر میں کچھ نہیں پکا اور کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ فاقہ اسی کو کہتے ہیں۔ اور دو تین فاقے اکٹھے آجائیں تو دن میں ہی تارے نظر آجائیں گے کہ جناب نہ کھانے کو کچھ ہے نہ پینے کو کچھ ہے۔ تو الحمدللہ کہ آج عام گھروں میں فاقے نہیں ہیں اس لیے ہم ان گھروں کی یا ان لوگوں کی تکلیف کو محسوس نہیں کر سکتے جو فاقے کرتے ہیں دنیا میں ایسے علاقے جہاں فاقے بھی ہوتے ہیں لیکن جب ہم فاقے نہیں کر رہے تو ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا۔ تو اللہ نے روزہ ایک عبادت بنائی ہے اس کے بے شمار فوائد بھی اللہ نے رکھے ہیں کچھ ہمیں سمجھ میں آتے ہیں کچھ تا حال سمجھ نہیں آئے۔ شاید آپ بڑے ہو کر سمجھنے کی کوشش کریں تو مزید سمجھ بھی آئیں گے آگے نئی نسل مزید غور و فکر کرے گی ترقی ہوگی تو اس میں مزید باتیں سمجھ میں آجائیں گی لیکن جو باتین ابھی تک سمجھ میں آگئی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ آدمی کو احساس ہوتا ہے کہ کسی غریب آدمی کے گھر میں فاقہ ہے اور اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا اور شام کا بھی نہیں کھایا۔ کوئی آدمی خود آ کر کہے میں کل سے بھوکا ہوں تو YOU CAN'T FEEL HIS POSITION کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ کھانا نہیں کھایا تو یار پاپے کھالو، کیک کھالو یا پیسٹری کھالو ہمارے ہاں کہا تو یہی جاتا ہے لیکن اگر پاس پیسے ہوتے تو وہ روٹی ہی کھالیتا۔ روزہ رکھنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ بھوک کیا چیز ہوتی ہے اگر دوپہر کے وقت کھانا نہ کھایا جائے تو شام کو کیا احساسات ہوتے ہیں اور پھر شام کو بھی نہ ملے تو کیا احساسات ہوں گے۔ تو وہ ایک غم خواری کا مہینہ ہے جس میں احساس ہوتا ہے کہ فاقہ کیا چیز ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک حدیث میں اسی طرح فرمایا ہے کہ یہ مواساۃ (غم گساری) کا مہینہ ہے۔ عام آدمی کے احساسات آدمی کو محسوس ہوتے ہیں کہ واقعتاً جو غریب ہیں اور جن کے گھر روٹی اس طرح نہیں پکتی ان کے مسائل

کس طرح ہوتے ہیں وہ کیسے سوچتے ہوں گے ان پر کیا گزرتی ہوگی۔ تو یہ جو فرائض عبادات ہیں یہ ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی طرف ہی لے جاتے ہیں۔ پھر اس سے آگے تواصی بالحق اور تواصی بالصبر ہے۔

جو آیت شروع میں میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھی وہ سورۃ حجرات کی ہے اس میں اللہ نے تشریح کر دی کہ ایمان کسے کہتے ہیں اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ مؤمن تو بس وہ ہیں۔ کلام میں حصر کا انداز ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو یہ یہ کام کریں بلکہ فرمایا: مومن تو صرف وہ ہیں جو یہ کام کریں یعنی جو یہ کام نہیں کرتا وہ ایمان والا نہیں کہلا سکتا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ ''مؤمن تو بس وہ ہیں'' الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ''جو ایمان لائیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر'' ایمان نام ہے یقین کا، ان کے دل میں CONVICTION ہو یقین ہو کہ اس کائنات کا ایک اللہ خالق اور مالک ہے اور محمد ﷺ اس کے آخری رسول ہیں اور قرآن اللہ کی کتاب ہے (جو آج ہمارے سامنے اصل شکل میں موجود ہے) آخرت ہے، قیامت ہے، حساب کتاب ہے، دائمی زندگی ہے۔

بے شک اہل ایمان تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین رکھیں۔ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا ''اور پھر اس میں شک نہ کریں''۔ ایسا یقین ہو کہ جس کو بدلا نہ جا سکے۔ جس کا یقین کمزور ہو اس کی ذرا سی کسی سے بحث ہو جائے یا کوئی CROSS QUESTION ہو جائے تو وہ کہے گا کہ یہ بندہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اور جس کا یقین پختہ ہو تو پھر وہ اپنے یقین پر جان بھی دے دیتا ہے۔ بے شمار لوگ ہیں جو اپنے نظریہ پر جان دے دیتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جانیں دیں ہیں۔ تو نظریہ ایسا ہو کہ جس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو۔ مثلاً قرآن کی تعلیمات یہ ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اب کوئی بحث کرے کہ مرنا تو ختم ہونے کا نام ہے، سارے یورپ والے اور جدید دنیا کے سارے لوگ تو کہتے ہیں کہ موت ختم کر دیتی ہے، آپ پاکستان والے اور قرآن کو ماننے والے نئے آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ موت کے بعد زندگی ہے آدمی اس سے CONVINCE ہو جائے تو پھر وہ شکوک شبہات میں پڑ جائے گا نماز چھوڑ جائے گا کہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے؛ عیش کرو دنیا میں۔ ایسا ایمان ہونا چاہیے جس میں شک وشبہ نہ ہو ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا ریب نہ ہو شک نہ ہو

AFTER THOUGHT نہ ہو۔ مؤمن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ثُـمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا پھر اس میں شک نہیں کرتے۔ یہ ایمان کا بیان ہو گیا آگے عمل صالح کا بیان ہے۔ وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یہاں عمل صالح کا ایک ہی عنوان ہے ایک ہی وضاحت ہے ایک ہی تشریح ہے ''اور انہوں نے جدوجہد کی اپنی جانوں کے ساتھ اور مالوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں''۔ جہاد کا لفظ ہمارے ہاں ایسی اصطلاحات میں سے ہے جس کا حقیقی مفہوم عام نہیں ہے، بہت سے لوگ جنگ اور جہاد کو ہم معنی سمجھتے ہیں اور جہاد کو جنگ کے معنی میں لے لیا جاتا ہے۔ جہاد کے معنی بعض جگہ جنگ کے بھی ہیں لیکن ہر جگہ ہر جہاد جنگ نہیں ہوگا اور پھر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمان جو بھی جنگ کرتے ہیں وہ جہاد ہوتا ہے۔ جہاد کا مفہوم بہت ہی PERVERTED سا ہو گیا ہے غلط ہو گیا ہے، ہمارے ذہنوں میں صحیح نقشہ نہیں بیٹھتا۔ دشمن پھر اس کو EXPLOIT کرتا ہے کہ دیکھو مسلمان اس کو جہاد سمجھتے ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہمارے میڈیا میں شہید کی بحث آئی تھی کہ کون شہید ہوتا ہے۔ اب کوئی شہید کسے کہہ رہا ہے، کوئی کسے کہہ رہا ہے، کوئی کسے کہہ رہا ہے حتیٰ کہ اب مسلمانوں کی یہ اصطلاح غیر مسلموں کے ہاں بھی ہے ان کا بھی کوئی بندہ کسی دشمن کے ہاتھوں مارا جائے تو وہ بھی سکھ بھی ہندوٴ بھی کہتے ہیں شہید ہو گیا۔ حالانکہ یہ اصطلاح ان کی نہیں ہو سکتی لیکن وہ یہ اصطلاح استعمال کر لیتے ہیں۔ تو جہاد کے لفظی معنی ہیں جدوجہد، جدوجہد کا لفظ ہم استعمال کرتے ہیں یہ جہد سے ہی جہاد بنا ہے اور انگریزی میں اگر اس کا ترجمہ کیا جائے تو STRUGGLE کے معنی میں آتا ہے جہاد کے معنی STRUGGLE۔ آدمی STRUGGLE کسی مشن یا نصب العین یا پیش نظر کسی چیز کے لیے کرتا ہے۔ کوئی اعلیٰ فوجی افسر بننا یا اعلیٰ سیاست دان یا کامیاب تاجر بننا چاہتا ہے اس کے لئے وہ محنت کر رہا ہے لگا ہوا ہے STRUGGLE کر رہا ہے۔ اسی طرح کوئی آدمی یہ چاہے کہ میں مسلمان ہوں اور میں اللہ کو مانتا ہوں اللہ کے رسول ﷺ کو مانتا ہوں اور اس پر مجھے یقین ہے اور وہ جدوجہد کر رہا ہے کہ جو بھی اس کے تقاضے ہیں وہ پورے کرنے ہیں ہر سوال کا صحیح جواب دینا ہے ہر کام جس کا مجھ سے تقاضا ہے وہ میں نے کرنا ہے، یہ جہاد ہے۔ اگر مشن صحیح ہے تو اس کے لیے اپنے اندر وقت پر سونے اور جاگنے کی عادت ڈالنا بھی اسی کا حصہ ہوگا۔ کوئی اپنے آپ کو وقت کا

پابند بنانا چاہتا ہے تاکہ زندگی میں جو آگے مرحلے آنے والے ہیں میرے اندر PUNCTUALITY پیدا ہو جائے تو یہ جہاد کا حصہ ہے۔ آدمی دنیا میں لذات کے پیچھے اتنا نہ جائے کہ پتہ نہیں زندگی میں مواقع ملیں گے یا نہیں ملیں گے لہٰذا کم سے کم پہ گزارا کر کے اپنے آپ کو قانع رکھنا یہ بھی جہاد کا حصہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے ایک IDEAL زندگی گزاری ہے، ان کی سیرت پڑھ کر دیکھیں ان کے حالات پڑھ کر دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ جہاد والی زندگی ہوتی کیسے ہے۔ ایک مسلمان کی ایمان کے بعد کی ساری زندگی اوّل تا آخر جہاد ہی ہے۔ اس میں کچھ حصہ فرائض کی ادائیگی کا ہے کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنی ہے، اسی کا حصہ ہے سچ بولنا، کسی سے ملنا ہے تو سلام کرنا ہے، خوش اخلاقی سے ملنا ہے، سکول کا کام کرنا ہے، استاد کی عزت کرنی ہے یہ بھی اسی عمل صالح کا حصہ ہے۔ انسان جس عمر میں ہے اس کے مطابق تقاضے پورا کرنا ہوتے ہیں۔ چار سال کا بچہ ہے اس سے دین کے اور تقاضے ہیں، چار سال کے بچے کو چالیس سال والے آدمی کی ذمہ داریاں تو نہیں بتائی جا سکتی۔ جس مرحلے میں بھی انسان ہے اگر مشن صحیح ہے، رخ صحیح ہے، نصب العین صحیح ہے تو آدمی جو کچھ کر رہا ہے وہ جہاد شمار ہوگا۔ اسی طرح ہمارے دین کی ساری عبادات ہیں۔ حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ“ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: پہلا تو کلمہ شہادت ہے وہ الفاظ ہیں جو کوئی انسان بقائمی ہوش و حواس ادا کرتا ہے تو مسلمان ہوتا ہے ”اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ“۔ دوسرا ہے نماز قائم کرنا اور تیسرا ہے زکوٰۃ ادا کرنا اور پھر رمضان کے روزے رکھنا اور پھر صاحب استطاعت ہو تو حج کرنا۔ اسلام کی بنیاد ان پانچ باتوں پر ہے۔ جو آدمی مسلمان ہے اسے چار عبادات تو لازماً کرنی ہیں۔ تب دنیا میں بھی اس کو مسلمان سمجھا جائے گا ورنہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اس کے اندر ایمان ہے یا نہیں۔ تو یہ تقاضے تو پورے کرنا بھی اسی جدوجہد کا حصہ ہے۔ ایمان لائے ہو تو جدوجہد کرنی ہوگی جان اور مال کھپانا ہوگا وقت لگانا ہوگا۔ جان سے مراد عام حالات میں وقت ہوتا ہے اور کبھی جان دینا بھی مراد ہوتا ہے۔

ان فرائض کی ادائیگی کے بعد ایک اس سے اگلا مرحلہ ہے۔ آدمی کی زندگی میں کچھ اس کی مالی مصروفیات ہوتی ہیں کوئی ملازمت کرتا ہے کوئی زمیندار ہے کوئی کسی قسم کا بزنس کرتا ہے اس

میں بھی اللہ کا کہنا ماننا ہوگا۔ جو آدمی ملازمت کر رہا ہے وہ آٹھ گھنٹے تو کم از کم ادھر دیتا ہی ہے اور دو گھنٹے آنے جانے کے بھی ہوتے ہیں چوبیس میں سے دس گھنٹے ملازمت میں لگ جاتے ہیں۔ اس میں اگر آدمی دین کے مطابق حلال کمانے کی فکر کر رہا ہے مثلاً کوئی کاروبار کرتا ہے یا کوئی ملازمت کرتا ہے یا جو کسی ذمہ داری کے عہدے پر ہے وہ یہ طے کر لے کہ میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہو تو یہ بھی جہاد ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''حلال کمانا بھی جہاد ہے'' ☆ جہاد کا حصہ ہے۔ یہ کمانا بھی زندگی کا بہت بڑا حصہ ہے اور اور اگر آدمی پابندی کر لے کہ میں نے دین کے مطابق کمانا ہے کوئی کام غلط نہیں کرنا، جھوٹ بول کر نہیں کمانا، ملاوٹ نہیں کرنی، دھوکا نہیں دینا، دو نمبر چیز نہیں بیچنی، مہنگی چیز نہیں بیچنی۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ یہ کمانا بھی جہاد ہے۔ ☆ طَلَبُ الْحَلَالِ جِهَادٌ (جامع الصغیر بحوالہ القضاعی)

اس سے آگے پھر اور بھی مراحل ہیں۔ دیکھو ہم انسانوں کی زندگی میں مختلف WALKS OF LIFE ہیں۔ زندگی اتنی سادہ نہیں ہے بلکہ زندگی کے بہت سارے شعبے ہیں اور ہر شعبۂ زندگی میں ہمیں سوچنا ہوگا کہ اس سے متعلق دین کے تقاضے کیا ہیں۔ ہر آدمی کھاتا پیتا ہے، ہر آدمی کماتا ہے پھر ہر آدمی کے والدین رشتہ دار، برادری کنبہ، قبیلہ کے تقاضے ہیں ان کی توقعات ہیں۔ پھر ہم ایک ملک میں رہتے ہیں پاکستان ایک ملک ہے ہم اس کے رہنے والے ہیں، پاکستان کی عزت ہماری عزت ہے، اور پاکستان کو کچھ ہو جائے خدانخواستہ تو صاف ظاہر ہے ہمارا بھی نقصان ہوگا۔ پاکستان کی کرکٹ کی ٹیم جیت جائے تو پاکستان میں ہر آدمی کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے کہ آج ہماری ٹیم جیت گئی اور ٹیم ہار جائے تو، بہر حال دنیا میں کچھ نہ کچھ محسوس تو ہوتا ہے کہ پاکستان کی ٹیم ہار گئی ہے چاہے یہ کھیل کا میدان ہی ہے تاہم اس کا اثر ہو جاتا ہے۔ اسی طریقے پر ملک پاکستان کی عزت ہماری عزت ہے اور اس ملک کی ذلت اور شکست سے اس کے ہر رہنے والے کو افسوس ہوتا ہے۔ جب بنگلہ دیش الگ ملک بن گیا تھا تو پاکستان آدھا رہ گیا تھا تو لوگوں نے محسوس کیا تھا کہ یہ ہم سے غلطیاں کوتاہیاں ہوگئی ہیں جس کی اللہ نے ہمیں یہ سزا دے دی ہے۔ تو اس ملک کے بھی کچھ تقاضے ہیں جس میں ہم سانس لے رہے ہیں جس کے وسائل ہم استعمال کر رہے ہیں جس میں ہم رہتے ہیں اور بحیثیت مسلمان ان تقاضوں کو بھی پورا کرنا ہے۔ آپ غور کریں کہ دنیا میں اور بھی بہت سے مسلم

ممالک ہیں ترکی ہے، مصر ہے، سعودی عرب ہے، اُردن، لیبیا، مراکش اور بنگلہ دیش وغیرہ کتنے مسلمان ممالک ہیں جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور وہاں بہر حال نماز روزہ بھی کسی نہ کسی درجے میں ہوتا ہی ہے لیکن دنیا میں پاکستان واحد ملک ہے جو بنا ہی اسلام کے نام پر ہے۔ 1947ء سے پہلے دنیا میں پاکستان نام کا کوئی ملک نہیں تھا ہم نے اس ملک کو ایک مقصد کے لیے بنایا ہے، پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلا اللہ، اس بنیاد پر یہ ملک بنا ہے۔ لہٰذا اس ملک کے اپنے کچھ تقاضے ہیں۔ ایک ترکی ملک ہے وہ ان لوگوں کا ملک ہے جو BY NATIONAL خاندانی طور پر ترک ہیں۔ اگر وہاں ساٹھ، ستر سال قبل اسلام غائب بھی ہو گیا، مصطفیٰ کمال اتاترک نے ایسے قوانین نافذ کر دیے تھے لیکن وہ پھر بھی ترک ہی ہے کیونکہ وہ ایک ہی برادری ہیں۔ لیکن پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے پاکستان میں سے اسلام کو نکال دیا جائے تو باقی پاکستان۔ پاکستان تو کوئی ملک نہیں ہے یہاں کوئی ایک قوم آباد نہیں ہے ایک زبان والے نہیں ہیں وہ تو پھر مسئلے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا ملک ایسا ہے کہ اگر ہم فیصلہ کر لیں کہ ہم نے ذاتی سطح پر مسلمان بن کر زندگی گزارنی ہے تو ہماری آخرت تو ٹھیک ہو ہی جائے گی دنیا میں بھی ہم پاکستان کو مضبوط کر رہے ہوں گے۔ جو آدمی مسلمان بن کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتا ہے وہ پاکستان کی بنیادیں مضبوط کر رہا ہے، پاکستان کو مستحکم بنا رہا ہے۔ جو ملک کی خدمت کر رہا ہے کہ اس میں کرپشن نہ ہو، کوئی لوٹ گھسوٹ نہ ہو، اس ملک کو اچھا بنایا جائے، اس ملک کو اسلام کے مطابق بنایا جائے وہ جہاد کر رہا ہے، وہ اپنے دین کی خدمت کر رہا ہے جو دین کی خدمت کر رہا ہے وہ ملک کی خدمت کر رہا ہے۔ ہمارا ملک واحد ملک ہے جو اسلام کی وجہ سے بنا لہٰذا اپنے ملک کی خدمت خوش دلی سے کریں گے تو اسلام کی خدمت کریں گے۔ آپ COMPARE کریں میں مثال کے طور پر عرض کر رہا ہوں دیکھیں ہندوستان ہمارا پڑوسی ملک ہے اور جس کی ایک ارب سے زیادہ کی آبادی ہے اور 20 کروڑ کے قریب وہاں بھی مسلمان ہیں اور مسلمان وہاں فوج میں بھی ہیں وہ ملازمت کی وجہ سے ہر جگہ جاتے ہیں، کچھ مسلمان پولیس میں ہے۔ تو ہندوستان کا جو مسلمان فوج میں ہے تو اس کی ڈیوٹی کشمیر بھی لگتی ہوگی، اس کی ڈیوٹی پاکستان کی سرحد پر بھی لگتی ہوگی۔ جب 65ء کی جنگ ہوئی تھی تو ادھر سے مسلمان بھی لڑتے آئے تھے۔ ظاہر ہے کہ بحیثیت مسلمان ان کا تعلق ہمارے

ساتھ ہے کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں قرآن اور حدیث کی ساری باتیں اس کے سامنے ہیں۔اور اپنی JOB کی حیثیت سے وہ اپنے کمانڈر کا جو ہندو ہے اور انڈیا کے قانون کے جو تقاضے ہیں وہ ان کا پابند ہے کہ حکم مانو گولے برساؤ۔اب وہ ایک DIVIDED PERSONALITY بن جاتا ہے کہ اس کی ملازمت یہ تقاضا کر رہی ہے کہ وہ مسلمانوں پر گولے برسائے، وہ دشمن ملک ہے۔وہ فوج میں ہے اور تنخواہ لیتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ حکم مانے۔اور مسلمان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان دینی بھائی ہیں اور ہندوؤں سے بہتر ہیں۔اب اس کی سوچ کچھ اور ہے اور وہ اپنے ہاتھ سے ٹریگر دباتے دباتے بھی سوچتا ہوگا کہ میرے ہاتھ سے ایک مسلمان مر جائے گا۔جبکہ ملک پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا ہے اس کے تقاضے ہیں کہ اسلام پر چلیں اس طرح یہ ملک مضبوط ہوگا۔خود اسلام پر چلیں گے تو اپنی آخرت ٹھیک کریں گے اور اگر ہم اپنے دوستوں کو اور سارے لوگوں کو اسلام پر چلنے کے لئے آمادہ کر لیں تو پاکستان کا نظریہ مضبوط ہوگا، پاکستان کا نظریہ مضبوط ہوگا تو ملک مضبوط ہوگا اور ملک میں اسلام کے نفاذ کی کوشش بھی عمل صالح کا حصہ اور جہاد شمار ہوگا۔اس ملک میں اسلام آجائے تو اس ملک کے قیام کا مقصد پورا ہو جائے گا اور بحیثیت مسلمان ہمارے دینی تقاضے پورے ہو جائیں گے۔
ہم ملک پاکستان کے رہنے والے، ایک لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ہمارے دینی تقاضے اور ملکی تقاضے ایک ہیں۔جو مسلمان امریکہ میں آباد ہیں اب وہاں اللہ کا حکم ماننا، جہاد کرنا وغیرہ دین کا تقاضا ہے۔اب وہی امریکہ افغانستان میں،عراق میں اور دیگر مقامات پر مسلمانوں کو مار رہا ہے اب ان مسلمانوں کے کیا جذبات ہوتے ہوں گے،ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا کہ شاید اندر سے ان کے تعلقات افغانیوں کے ساتھ ہوں اور اوپر سے یہ امریکی ہیں NATIONALITY ان کی امریکی ہے۔تو دنیا میں واحد ملک پاکستان ہے کہ جہاں اللہ نے سب چیزیں جمع کر دی ہیں، انفرادی تقاضے، دینی تقاضے، مسلمان ہونے کے تقاضے، پاکستان کے تقاضے، ملک کے شہری ہونے کے تقاضے، سارے کے سارے ایک ہی جواب ہے اسلام اور اسلام کے لئے کام کرنا۔اور اسلام کے لئے کام کرنے کو قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ یہ 'جہاد' ہے جان لگاؤ مال لگاؤ۔نماز، زکوٰۃ، حج، روزے کے لئے بھی جان مال لگتا ہے۔اور اس سے آگے ہے کہ عملی زندگی میں اللہ کے

دین کو اپنی زندگی کا مشن بنانا اور اس کے جو بھی تقاضے ہیں ان کو پورا کرنا۔ کہیں جان دینی پڑ جائے گی وقت دینا پڑ جائے گا، اپنے اثاثے دینے پڑ جائیں گے، اپنا نقصان اٹھانا پڑ جائے گا۔

توعملِ صالح کی حقیقت یہ ہے کہ ہمیں دینی تقاضے پورے کرنے ہیں اور دینی تقاضے ایسے پورے کرنے ہیں جیسے محمد رسول اللہ ﷺ نے پورے کیے ہیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے کیے ہیں۔ افسوس کہ آج کل ہم مسلمان دینی تقاضے اس طریقے پر پورے نہیں کرتے۔ دعویٰ ہم کرتے ہیں لیکن اس طریقے پر پورے نہیں کرتے۔ ہم نے ان کو DIVIDE کرلیا ہوا ہے کچھ لوگوں نے بعض چیزیں لے لی ہیں کہ ہم تو صرف یہی کریں گے باقی نہیں کرسکتے، اور کچھ لوگوں نے دو تین کام لے لیے ہیں باقی نہیں کرسکتے اور کوئی کہتا ہے یہ دو تین کام مجھے اچھے لگتے ہیں یہ میں کروں گا باقی نہیں کروں گا۔ جبکہ دین کا تقاضا یہ ہے کہ دین کے سارے تقاضے TOTALLY پورے کیے جائیں۔ تب کوئی شخص ایک IDEAL اور اچھا مسلمان بن سکتا ہے تب وہ آخرت میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ دین کے سارے تقاضے پورا کرنے کی کوشش تو کرنی چاہئے اور سارے پورے نہ ہوسکیں تو ٹھیک ہے کوشش کی ہے۔ مثال کے طور SCHOOL LIFE میں ایک کورس (SYLLABUS) بنا دیا جاتا ہے جو سارا سال طلباء کو پڑھایا جاتا ہے۔ اب اس میں سے پرچہ ہونا ہے اس کے لیے بچے سارے ہی محنت کرتے ہیں لیکن صد فی صد نمبر تو شاید ہی کوئی لے سکے۔ اس لئے کہ کبھی کسی وجہ سے پڑھ نہیں سکا، کبھی ذہن میں نہیں رہتا، کبھی استاد نہیں ہے تو کچھ چیزیں چھوٹ گئیں۔ تو اسی طرح عملی زندگی میں بھی کبھی کوئی آدمی تمام تقاضے پورے نہیں کرسکا۔ کسی کو زندگی میں مہلت نہیں ملی، بیمار رہا، ماحول مناسب نہیں ملا، والدین کے معاملات وغیرہ یوں اس طرح کے معاملات کی وجہ سے تمام تقاضے پورے نہیں کرسکا۔ لیکن FIRST DIVISION یا پاس مارکس تو لینے ہی چاہئیں۔ آدمی کا تصور صحیح ہونا چاہئے کہ یہ دین کے تقاضے ہیں اور پھر ہر آدمی کو سوچنا یہ چاہئے کہ مجھے دین کے سارے تقاضے پورے کرنے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو کہا ہے میں نے اس کو پورا کرنا ہے اولاً اس کو قبول کرنا چاہئے اور ثانیاً اور اس کے لئے پھر کوشش کرنی چاہئے ایسے نوجوان بھی ہوں گے جو دوسروں سے بہت آگے نکل جائیں گے۔ اب دیکھیں! آپ ابھی نوجوان ہیں بڑے ہوں گے، آپ میں سے کوئی ایسا بھی ہوسکتا ہے جو ملک کا

سربراہ بن جائے۔ کسی کے ماتھے پر تو نہیں لکھا ہوا لیکن امکان تو ہے جیسا کہ آج جو سربراہ ہیں وہ آج سے 40-50 سال پہلے سکولوں میں ہی بیٹھے ہوں گے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کوئی طالب علم اپنے آبائی کام پر لگ جائے جاگیرداری میں وہ اپنے کسی مشن کو پورا نہ کرسکے تو ایسا ممکن ہے۔ لیکن جو ملک کا سربراہ بن جائے گا اس کے کاندھوں پر بہت زیادہ ذمہ داری ہوجائے گی کہ پورے پاکستان کی ساری آبادی کی طرف سے اس پر ذمہ داری آگئی ہے کہ وہ اسلام کی خدمت کرے۔ تو ہر آدمی کو دین کو TOTALLY اختیار کرنا چاہئے۔ اللہ سے وعدہ کرنا چاہئے کہ اے اللہ میں پورے دین پر عمل کروں گا۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ دل میں جذبہ ہونا چاہئے جیسے COMPETITION ہوتا ہے کہ پچھلے امتحان میں وہ مجھ سے دو نمبر زیادہ لے گیا اس دفعہ میں نے اس سے دو نمبر زیادہ لینے ہیں یہ COMPETITION دین کے بارے میں بھی کرنا چاہئے کہ اے اللہ تو مجھے موقع دے تو میں دین کی خدمت کر کے دکھا دوں گا، آج تک جتنے ہی حکمران آئے انہوں نے دین کے تقاضے پورے نہیں کیے اے اللہ تو مجھے موقع دے تو میں کر کے دکھاؤں گا۔ یہ بھی COMPETITION کا حصہ ہے۔ آرزوئیں، امنگیں اور زندگی کا MOTO اور نصب العین بھی دین کے مطابق ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ہمارا ایمان ہے ہم مسلمان ہیں تو ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ پوری زندگی دین کے مطابق گزارنی ہے اس کے لیے جان و مال لگانا ہے اس سے باہر ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ اسی کا حصہ یہ بھی ہے کہ اے اللہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں پورے دین پر چلوں گا جو میرے لئے ابھی ممکن ہے نماز پڑھنا، سچ بولنا، چوری نہیں کرنی، کسی کا نقصان نہیں کرنا، جھوٹ نہیں بولنا وہ ابھی کروں گا اور آئندہ عملی زندگی میں جا کر میں تیرے دین کی خدمت کروں گا اسلام نافذ کر کے دکھاؤں گا جان مال لگا دوں گا اسی کو جہاد کہتے ہیں۔ آرزو کرنا تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی مسابقت تھی جنگوں میں اور اللہ کے دین کی خدمت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ آج بھی یہ میدان کھلا ہے۔ اگر جذبہ ہو تو آدمی اللہ سے یہ دعا بھی کرسکتا ہے کہ میں مجاہد بنوں اور شہادت کا درجہ پاؤں۔

قرآن مجید میں سورۂ بنی اسرائیل میں رسول اللہ ﷺ کی دعا موجود ہے مکے سے ہجرت سے پہلے کی دعا ہے کہ اے اللہ مکے میں حالات صحیح نہیں ہیں، تو مجھے مکے سے نکال کر کہیں

اور لے جائے تو مجھے وہاں حکومت عطا فرما، تا کہ میں تیرے دین کو غالب کروں۔ کیونکہ غلامی میں تو آدمی کوئی کام کر ہی نہیں سکتا۔ اور سورۃ آل عمران میں بھی موجود ہے کہ اے اللہ تو ہی ہر چیز کا مالک ہے اور تو جس کو چاہتا ہے حکومت دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہی دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کے لئے کسی اوباما کو نہیں SELECT کرے گا بلکہ جو مسلمان ہے اسی کو SELECT کرے گا۔ اگر آج کوئی کام کرنے کا ہے تو آج جو لوگ AT THE HELM OF AFFAIRS ہیں اور ملک چلا رہے ہیں اللہ ان کو توفیق دے گا اگر 10 سال بعد کوئی دین کی خدمت ہونی ہے تو اللہ تعالیٰ 10 سال بعد جو حکمران ہوں گے ان کو توفیق دے گا اور اگر 40 سال بعد ہے تو آپ میں سے جو اعلیٰ عہدوں پر جا کر بیٹھے ہوں گے ان کو توفیق دے دے گا۔ تو دل میں یہ جذبہ پیدا ہونا کہ میں آج جو میرے لئے دین کے تقاضے ہیں وہ میں آج پورے کر رہا ہوں جو 10 سال بعد ہوں گے وہ اس وقت پورے کروں گا اور 40 سال بعد مجھے کوئی موقع ملا تو اس وقت کے تقاضے پورے کروں گا اور یہ بھی جذبہ رکھنا کہ اے اللہ تو مجھے دین کی خدمت کا موقع دے اور مجھے اختیارات دے اور طاقت دے حوصلہ دے تو میں پھر تیرے دین کی خدمت کر کے اس کو نافذ کر کے دکھادوں گا۔ یہ بھی دین کا تقاضا ہے یہ بھی اسی جہاد کا حصہ ہے اللہ کے دین کا کام کرنا۔ مختصر الفاظ میں یہ کہ ہر وقت دین کے کاموں، فرائض اور دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے جان مال تیار رکھنا کہ دین کا جو تقاضا آئے گا میرے پاس جو وقت ہو گا جو پیسے یا جتنے وسائل ہوں گے وہ بھی لگانے سے کبھی گریز نہیں کروں گا۔ یہ جذبہ ہو گا تو وہ آدمی عملی زندگی میں جہاد کر رہا ہے وہ آدمی مجاہد ہے اور دین کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان کو مجاہد ہی ہونا چاہئے قرآن و حدیث میں کہیں کہیں جنگ کو بھی جہاد کہہ دیا گیا ہے تو کبھی تقاضا ہو کہ جنگ کے لئے جانا ہے تو بھی آدمی گریز نہیں کرے گا جان اللہ کی دی ہوئی ہے اگر دین کی خدمت ہو سکتی ہے تو میں جان بھی دینے کو تیار ہوں۔ سورۃ الحجرات کی یہ آیت اسی بات کو واضح کرنے والی ہے فرمایا

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

بے شک اہل ایمان تو صرف وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر

ایمان سے مراد یقین (CONVICTION) ہے دل میں ایسا یقین ہو کہ آدمی کی جان تو چلی جائے لیکن وہ یقین ادھر اُدھر نہ ہو۔

ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا پھر اس میں شک نہ کریں۔

وَ جَاهَدُوا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور وہ (اہل ایمان اس یقین کے بعد) جہاد کریں، STRUGGLE کریں، کوشش کریں، تگ و دو کریں، جدوجہد کریں، لگے رہیں۔ جہاد کے بہت سے تقاضے اور مراحل ہیں۔ یہ موضوع آئندہ ایک دو نشستوں میں آجائے گا کہ جہاد کی حقیقت کیا ہے؟ اس لیے میں اس کی زیادہ وضاحت نہیں کر رہا۔ ہر آدمی طے کر لے کہ مجھے دین کے لئے کام کرنا ہے روزانہ کرنا ہے اپنی صلاحیتیں اور اپنا وقت لگانا ہے اور اپنے وسائل لگانے ہیں اور اللہ سے دعا کرتا رہے کہ اے اللہ تو مجھے موقع دے تو میں تیرے دین کی خدمت کروں گا جس مقصد کے لئے پاکستان بنا تھا وہ مقصد میں پورا کر دوں گا اے اللہ میرے سر پہ یہ تاج رکھ دے اور مجھے اس کام کا موقع دے دے تو یہ بھی بہت اچھی بات ہوگی۔ یہ کسی انسان ہی نے کرنا ہے اگر آپ میں سے کچھ دوست ایک گروپ بنالیں کہ جب موقع ملا ہم یہ کام کریں گے تو یہ ایک پسندیدہ کام ہے۔ اس مقصد کو اپنے دل میں پالنا، آگے بڑھانا، اس کے لئے آرزوئیں رکھنا اس کے لئے دل میں اُمنگ پیدا ہونا یہ سب باتیں ایک اچھے مسلمان کی زندگی کی شان ہے اس طرح ہمیں زندگی میں اسلام کی سربلندی کے مقصد کے لئے جینا چاہیے اور اسی کے لئے مرنا چاہیے اس کے لئے جدوجہد ہو حتیٰ کہ اسی مقصد کی خاطر کھانا پینا چاہیے اور آرام کرنا چاہیے تاکہ میں صحت مند مسلمان بنوں اور اپنی طاقت کو اسلام کے حق میں استعمال کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان باتوں کی سمجھ اور ان پر صدقِ دل سے عمل کرنے اور ایک سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تبصرہ وتعارف کتب

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

1 سیرت النبی ﷺ کا اجمل انسائیکلو پیڈیا

پروفیسر حکیم سیّد محمد اجمل شاہ

دنیا کی مختلف زبانوں میں سیرت وکردار پر جس قدر تحریرات ہادیٔ عالم ﷺ کے حوالہ سے وجود میں آئیں کسی دوسری شخصیت کے بارے میں نہیں ملتیں۔ سیرت النبی ﷺ پر ہزاروں قوامیس، ڈیجیٹل اور دیگر حوالہ جاتی مواد منظر عام پر آچکا ہے۔ ہنوز تحقیقی شاہکار مستقبل میں منصۂ شہود پر آتے رہیں گے۔ اس لیے کہ ع ماہم چناں دراوّل وصف تو ماندہ ایم ـــــ والا معاملہ ہے۔

زیر تبصرہ انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ کے دیگر دائرۃ المعارف سے منفرد انداز میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک جامع تصنیف ہے یہی وجہ ہے کہ مصنف نے متّفقات کو ہی ترجیح دی ہے مثلاً ولادت باسعادت کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں: ''یہ مبارک دن پیر، ربیع الاوّل کا مہینہ، عام الفیل بنتا ہے'' اور تاریخ ولادت دنیا کے مروّجہ ومشہور سنین، معجزات وغزوات اور آپ ﷺ کی حیاتِ اقدس زمانی اعتبار سے آئینۂ ایام کی روشنی میں تحریر کی ہے۔ فہرست عناوین اور سیرت النبی ﷺ کا تصویری البم آخر میں دیے گئے ہیں۔ سیرت کے لٹریچر میں یہ ایک نادر اضافہ ہے جس سے عامۃ المسلمین بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں اس کا مطالعہ وارفتگانِ عشق مصطفیٰ ﷺ کے ایمان کو تازہ کرنے کا ذریعہ اور دنیا وعقبیٰ کے لیے زادِ راہ ہے کتب خانوں میں سیرت پر حوالہ جاتی مواد کی حیثیت سے ہر لائبریری میں اس کی موجودگی ناگزیر ہے۔

2 فرقہ سیفیہ کا تحقیقی جائزہ

مولانا الیاس گھمن

زیرِ تبصرہ کتاب جدید فرقہ 'سیفیہ' کا تحقیقی جائزہ ہے۔ صاحب تصنیف کا اسلامی فرقوں پر بہت وسیع مطالعہ ہے اور موصوف کی اس موضوع پر اور بھی متعدد تصانیف ہیں تاہم زیرِ تبصرہ کتاب میں ان کا تحقیقی اسلوب نہایت جاندار ہے۔ ان کی تحقیق عمیق کا ماحصل یہ ہے کہ اس پرفتن دور میں ہر فتنہ خوش نما نعروں اور نئے جال لے کر اُمت مسلمہ پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ آج یہود و نصاریٰ تو ایک ہو چکے ہیں مگر امت مسلمہ فرق و سلاسل میں تقسیم در تقسیم کے عمل سے دوچار ہے۔ انہی میں سے ایک فرقہ سیفیہ بھی ہے جو تزکیہ، طہارتِ قلبی اور عشق نبی ﷺ کا دعویٰ لے کر اُٹھا اور پھر اس نے اپنی خود غرضانہ خواہشات کی بنا پر وحدتِ امت کو پاش پاش کر دیا۔ اس کا خمیر سرزمین خیبر پختون خواہ سے اُٹھا اور پھر پختونوں میں ہی فسادات کا باعث بنا۔ علماءِ حق نے اس پر جو کڑی تنقیدیں کیں، انہی کا مجموعہ زیرِ تبصرہ کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ دینی حلقوں کے لئے یہ فکر انگیز کتاب ہے تاکہ وہ بھی فرقہ ورانہ عصبیتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اتحادِ اُمت کے لیے اپنی مساعی جمیلہ کو بروئے کار لائیں۔ محقق نے تحقیقی معیارات کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کتاب کو حوالہ جات سے مزین کیا ہے۔ دینی مدارس میں مطالعہ فرقِ اسلامیہ کے لیے ایک مفید کتاب ہے۔ (ملنے کا پتہ: مکتبہ اہل السنّت والجماعۃ، 87 جنوبی سرگودھا)

3 فروغِ نعت کے لئے کوشاں کتابی سلسلہ

جہانِ نعت

مسرور کیفی نعت نمبر

مدیر: محمد رمضان میمن

مدح و ثناء خوانی مصطفیٰ ﷺ ایک مبارک سلسلہ ہے جو ازل سے جاری ہے اور یہی محبت و عشق رسول ﷺ مؤمن کی علامت ہے۔ مدائح النبی ﷺ پر سینکڑوں تصانیف دنیا میں موجود ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ رسائل و جرائد کے نعت نمبر بھی شائع ہوتے رہتے ہیں

لیکن زیرِتبصرہ جہانِ نعت ایک کتابی سلسلہ ہے جو مدح خوانانِ رسول ﷺ کے حوالے سے ماہِ ربیع الاوّل کے مبارک مہینے میں اجراء کیا گیا ہے۔ زیرِتبصرہ اوّلین شمارہ عاشق رسول ﷺ اور قادرالکلام شاعر حضرت مسرور کیفی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ''حضرت مسرور کیفی نعت نمبر'' ہے جو حضرت مسرور کیفی کے جذبہ عشق رسول ﷺ سے بھرپور نعتیہ شاعری اور ان کی زندگی پر خوبصورت مضامین کا مجموعہ ہے۔ محبت وعقیدت سے لبریز ان کی دعا ہے:

جاں نکلے تو مدینے میں مری — بس لبوں پر یہ دعا رکھتا ہوں میں

ادارۂ جہانِ نعت' مبارک باد کا مستحق ہے کہ جس نے مسرور کیفی کی نعت گوئی پر یہ سلسلہ شروع کر کے اہل ذوق کے لیے قلبی تسکین کا سامان فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے نعتیہ ذخائر میں بھی ایک خوبصورت اضافہ کیا ہے۔ (ملنے کا پتہ: شارع مسجد حدیبیہ، گلشن حدید، فیز 2، بن قاسم، ضلع ملیر، کراچی)

4 ماہنامہ **افکارِ معلم** لاہور

اسلامی نظام تعلیم کا علمبردار

زیرِادارت: سیّد وقار علی کاری

زیرِتبصرہ جریدہ پروفیسر سیّد محمد سلیم صاحب مرحوم کی سرپرستی میں شائع ہونے والا وہ ماہنامہ ہے جو 26 سالوں سے باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ تعلیمی رسائل کے حوالے سے وہ منفرد نام ہے جو ملک بھر کے اساتذہ کا ترجمان ہے۔ تنظیم اساتذہ پاکستان کے نصب العین کی تکمیل کے ساتھ ساتھ قومی سطح پر تمام اساتذہ کی علمی وفکری، فلاح وتربیت میں سرفہرست، ان کی پیشہ ورانہ بالیدگی اور کارکردگی کے اظہار کا مؤثر ذریعہ ہے۔ ماہرین تعلیم کی نگارشات سے مزین یہ ماہنامہ نہ صرف اردو ادب کا سرمایۂ افتخار بلکہ اسلامی علوم ومعارف کا خزینہ، سکول، کالجز اور جامعات کے علاوہ دینی مدارس کے طلباء و اساتذہ کی علمی افزائش، عامۃ الناس میں تعلیمی وتعمیری فکر کے حامل افراد کی معلومات میں اضافہ کا باعث اور کتب خانوں کی ناگزیر ضرورت بھی ہے۔ رسالہ کے سرورق پر رسالے کے نام کے ساتھ ''ماہانہ'' اور اندرونی صفحہ پر ''ماہنامہ'' درج ہے۔ (فی شمارہ 25 روپے، سالانہ زرِتعاون 250 روپے، ملنے کا پتہ: تنظیم منزل، 47-ایبک پارک، 3 بہاول شیر روڈ، مزنگ لاہور)

تعلیم تبلیغ تربیت

بعثت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد توحید و آخرت تلاوتِ آیات تفہیم کتاب
تعلیم حکمت تزکیۂ نفس غلبہ دین

اُمتی کی ذمہ داریاں ختم نبوت کا تقاضا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا مقصد پورا کرنے کے لئے
اُمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل انبیاء کرام (علیہم السلام) والا کام کرتی رہے۔
اُمت وسط اور خیر امت کی حیثیت سے تمام انسانوں پر شہادت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔
دین کامل اور اقبال کا مردِ مؤمن۔

یہ کام کیسے ہو؟ تقویٰ اور تزکیۂ نفس کے لئے مسلسل تربیت، ذاتی اصلاح، اہل خانہ کی
تربیت اور ماحول کی بہتری کی خاطر ایک اچھا مبلغ اور مصلح بننے کے لئے
قرآن و سنت کی روشنی میں

مربی بنئے (جامع دینی تعلیم اور مسلسل روحانی تربیت)

مفت کتابیں بلا معاوضہ فاصلاتی تربیت ملک اور بیرونِ ملک سے خواتین و حضرات کے لئے

دعوت فاؤنڈیشن پاکستان

مکان نمبر 1، STI کالونی پلاٹ نمبر 7، سیکٹر H-9 اسلام آباد
فون: 051-4444266، موبائل 0313-8484860-0323-5131416
ای میل: anfides@gmail.com

ان شاءاللہ

من الظلمات الی النور

25 روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

مئی 2014ء، جون 2014ء، جولائی 2014ء، اگست 2014ء

3 مئی تا 27 مئی 2014ء

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہوسکتے ہیں تاکہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کرسکیں۔

☆ قیام وطعام اکیڈمی کے ذمہ ہوگا۔ ☆ تعلیمی ٹائم ٹیبل اور قواعد وضوابط کی پابندی ضروری ہوگی۔ ☆ خوب صورت لیکچر ہال، مسجد، لائبریری اور دیگر ضروریات ایک ہی چھت کے نیچے۔ ☆ پرسکون اور پاکیزہ ماحول۔

اپنی فرصت کے مطابق نام رجسٹر کرائیں

قرآن اکیڈمی لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

فون: 047-630861-63----0336-6778561

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com